درس حدیث

محمد اظہر مدنی

ماہ شعبان احادیث کی روشنی میں

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت : کان أحب الشھور الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصومہ شعبان، ثم یصلہ برمضان.

(ابو داؤد–2431،نسائی –2350)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ رکھنے کے لئے سب سے محبوب مہینہ شعبان تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد رمضان کے روزے رکھتے تھے۔

تشریح: اسلامی کیلنڈر کے مطابق شعبان کا مہینہ رجب کے بعد اور رمضان المبارک سے پہلے آتا ہے، ماہ شعبان آٹھواں مہینہ ہے قمری تقویم کے اعتبار سے۔اس مہینے کو عمل اور عبادت کے اعتبار سے ایک جداگانہ حیثیت حاصل ہے۔اس مہینہ کے سلسلے میں بہت ساری ایسی روایات ہیں جو ضعیف ہیں یا من گھڑت اور موضوع ہیں۔اس مہینہ میں بہت سارے ایسے اعمال انجام دیے جاتے ہیں جن کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ایسی ایسی بدعات ہیں جو انسان کو گمراہی کے ساتھ شرک کی طرف لے جانے والی ہیں۔رہی بات چراغاں اور آتش بازی کرنے کی تو یہ محض فضول خرچی ہے۔جو کہ بہر حال ممنوع ہے اور اسکا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اسی طرح اس ماہ کی پندرہویں شب کو شب براءت کا نام دے دیا گیا ہے اور اس میں قیام اللیل کا اہتمام کیا جاتا ہے، قبروں کی زیارت کی جاتی ہے۔نیز موم بتیاں اور اگربتیاں سلگائی جاتی ہیں۔اس پر مستزاد یہ کہ موضوع روایات کا سہارا لیکر لوگوں کو ان بدعات کی ترغیب دلائی جاتی ہے جبکہ قرون مفضلہ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام واتباع تابعین رحمہم اللہ کے یہاں اس مہینے میں کوئی مخصوص عبادت تھی اور نہ ہی نصف شعبان کو قیام اللیل کا اہتمام تھا۔حافظ ابن رجب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ”**قیام لیلۃ النصف لم یثبت فیہ شیئ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولاعن اصحابہ رضی اللہ عنہم**“(شعبان کی پندرہویں رات کے قیام کی فضیلت میں نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت ہے اور نہ ہی آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے۔)

لہٰذا اس رات میں خصوصیت کے ساتھ رت جگا کرنا، قبروں کی زیارت کرنا، تہجد گزاری، تلات قرآن، مجلس ومحفل کا انعقاد اس مزعومہ کے ساتھ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔جو بلاشبہ جھوٹ اور فریب ہے، حضرت امام طرطوشیؒ نے ایک تابعی کا قول نقل کیا ہے کہ ”**ماادرکنااحدامن مشیختنا ولافقھائنایلتفتون الی النصف من شعبان ولایلتفتون الی حدیث مکحول** ....“(ہم نے اپنے مشائخ اور فقہاء میں سے کسی کو بھی نہیں پایا کہ وہ شعبان کی پندرہویں شب یا حدیث مکحول کی طرف التفات کیا ہو اور پندرہویں شب کو کسی رات پر فوقیت وفضیلت دی ہو۔)رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مہینہ میں معمول تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ اس مہینہ میں کثرت سے روزے کا اہتمام کرتے تھے اور اس مہینہ کا روزہ آپ کو سب سے محبوب تھا۔ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو شعبان کے مہینے میں جتنا روزہ رکھتے ہوئے دیکھتا ہوں کسی اور مہینہ میں اتنا روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھتا ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ماہ رجب اور ماہ رمضان کے درمیان اس مہینہ میں لوگ روزے سے غافل رہتے ہیں حالانکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اعمال رب العالمین کے طرف اٹھائے جاتے ہیں اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حالت میں اٹھائے جائیں کہ میں روزے کی حالت میں رہوں۔اور ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں بھی روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ چند دنوں کے علاوہ آپ پورے مہینے روزے رکھتے تھے۔اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ شعبان اور رمضان کے علاوہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔مذکورہ تمام احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس مہینہ میں جو عمل مسنون ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ روزہ ہے، لہٰذا ہم تمام لوگوں کو ماہ شعبان میں کثرت سے روزہ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

رہی بات شب براءت کی اور اس موقع پر انجام دی گئی شرکیات وبدعات وخرافات کی تو حقیقت میں ان کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ نصف شعبان کے تعلق سے چند حدیثیں وارد ہیں جو صحت کے اعتبار سے حسن ہیں اور علامہ البانیؒ نے بھی اس کی تحسین کی ہے جیسے ”**یطلع اللہ تبارک وتعالیٰ الی خلقہ لیلۃ النصف من شعبان ، فیغفر جمیع خلقہ الالمشرک أومشاحن** ۔(اللہ تبارک وتعالیٰ پندرہویں شعبان کو اپنی تمام مخلوق کی طرف دیکھتا ہے اور اپنی تمام مخلوقات کی مغفرت فرمادیتا ہے سوائے مشرک اور کینہ پرور کے۔)ایک روایت میں ہے کہ مومنوں کو بخش دیتا ہے کافروں کو ڈھیل دے دیتا ہے اور کینہ پروروں کو بھی، یہاں تک کہ وہ اپنا دل صاف کرلیں۔

اس کے علاوہ جتنی بھی روایتیں ہیں جنکا ذکر ہر مجلس میں کیا جاتا ہے اور اس کے سہارے شرک وبدعات کی ترویج کی جاتی ہے وہ سب کی سب ضعیف ہیں یا من گھڑت ہیں۔ اور جہاں تک رہی بات پندرہویں شعبان کی فضیلت والی حدیث کی تو اس سے اس بات کا ہرگز جواز نہیں ملتا ہے کہ اس رات کو قیام اللیل کا اہتمام کیا جائے یا قبروں کی خصوصی زیارت کی جائے، جلسے جلوس نکالے جائیں، محفلیں سجائی جائیں نیز آتش بازی اور چراغاں وغیرہ جیسے خرافات کو انجام دیا جائے اور نہ ہی عمل صحابہ اور تابعین وتبع تابعین سے اس طرح کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے اس رات کو قیام اللیل کا اہتمام کیا ہو یا خصوصیت کے ساتھ کوئی کام اس رات میں انجام دیا۔

چنانچہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور اتباع تابعین رحمہم اللہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تو بھلا یہ سارے اعمال اس رات کو کیسے مستحسن قرار پاگئے۔یہ سب کے سب کتاب وسنت کے مخالف ہیں، ہمارے لئے مشعل راہ کتاب وسنت ہے ہمیں اسی پر عمل کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام لوگوں کو کتاب وسنت کے مطابق عمل کرنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین ☆☆

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طہ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
پانی ایک عظیم نعمت	۶
اسلام دین جمال وکمال ہے	۸
قوموں کی بقا میں اخلاق کا کردار	۱۳
آخرت میں نجات کے چند اہم اسباب	۱۶
اسلام اور ہندو دھرم میں پردہ اور ہمارا آئین	۱۹
شادی بیاہ کے احکام ومسائل	۲۱
سرسید احمد خان اور وہابیت	۲۴
ڈاکٹر عبدالعلی ازہریؒ-ایک تعارف (پانچویں قسط)	۲۵
پریس ریلیز وجماعتی خبر	۱۵
اعلان داخلہ المعہد العالی للتخصص في الدراسات الاسلامیہ	۳۱
اعلان انیسواں مسابقہ حفظ وتجوید وتفسیر قرآن کریم	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک
سالانہ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ۷/روپے
پاکستان ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

ابو مصلح الکریمی

دل تر انظر الٰہی کا رہا مرکز سدا

ان دنوں ہر آدمی ہر پارٹی کا حساب وکتاب کر رہا ہے اور اگلا پچھلا حساب چکا رہا ہے۔ کوئی پانچ سال کا حساب کر رہا ہے، کوئی ستر سال کا حساب مانگ رہا ہے اور کوئی پندرہ سالوں کے اعمال کا جائزہ لے رہا ہے۔ یہ کام عام طور پر سیاسی پارٹیاں ہی زیادہ کر رہی ہیں اور یہ مدعے بھی زیادہ وہی اٹھا رہی ہیں۔ ہندوستان کے عوام جس کو کالانعام کا درجہ ان سیاسی لوگوں یا بازیگروں نے دے رکھا ہے وہ بھی اس الجھاؤ میں کافی حد تک پڑے ہوئے ہیں اور خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم تمیں مار خان ہیں اور سب کے حسابات ہم لے رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس میں بھی ایک طرح پھنسایا ہی گیا ہے، اس لئے بہت سی مفید باتوں، کام کی چیزوں، بنیادی حقوق اور اصلاح واقدام پر توجہ کم رہ گئی ہے اور انہی آنکڑوں اور جائزوں میں لگ گئے ہیں اور بحث بازی حتی کہ بیت بازی بھی کرنے لگے ہیں اور یہ سب بیت بازیاں اتنی سریلی اور حسین ہیں کہ عوام اسی میں محو رہیں گے۔ گانے بجانے والے بھی اپنی ڈفلی خوب بجا رہے ہیں اور اپنا اپنا فن دکھا رہے ہیں۔ سننے والوں اور دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ رہی ہے اور دن رات چٹخاروں میں مزے سے گذر رہے ہیں۔ کچھ تو بلا سوچے سمجھے اتنا مگن ہیں اور اپنے آپ کو امریکہ سے زیادہ سپر پاور تصور کئے ہوئے ووٹ کے دن کا انتظار کر رہے ہیں، سیاسی اکھاڑوں میں اٹھا پٹک اور اکھاڑ پچھاڑ کر رہے ہیں اور ان کے دن خوب مزے سے گذر رہے ہیں۔ ان کو پتہ نہیں کہ پانچ سال پھر کن غمگین واندوہگین حالات وکیفیات میں گذریں گے۔ تب ان کے یہ پانچ سال پچاس سال پیچھے ڈھکیل دینے کا پیش خیمہ ثابت ہوں گے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ

لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

کے تحت نسلہا نسل تک اس کا خمیازہ بھگتیں گے اور سر نہ اٹھا سکیں گے اور اسی پر بس نہیں، ان کا نام بھی بڑے سیاسی بازیگروں اور بسا اوقات مجرموں، ملک کے مکاروں، اصل غداروں اور خائنوں کے ساتھ جلی قلم سے مورخ نہیں تو کراما کاتبین ضرور لکھیں گے۔ مورخ کا لکھا ہوا بھی ایک دستاویز ہوتا ہے اور عبرتناک وعبرت انگیز اور باعث عبرت وموعظت، مگر باعث عبرت لوگوں کا حساب زیادہ سے زیادہ مورخ لفظوں میں کرتا ہے اور لوگ اس سے لفاظی اور ڈائیلاگ میں استعمال کر کے ان کی فضیحت ومذمت کر کے خوش ہو لیتے ہیں اور کوس کاس کر چپ ہو جاتے ہیں۔ کچھ سعید روحیں نصیحت بھی پکڑتی ہیں۔

مگر کراما کاتبین کا لکھا ایسا ہوتا ہے جو دنیا میں بھی ہمیشہ کے لئے عبرت کا سامان

بناتا ہے اور یوم الحساب میں بھی بہی کھاتہ کھول کر منتظر مہمان نوازی اور خاطر تواضع ہیں۔ اوراس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود ان کراما کاتبین اور دائیں بائیں دونوں کندھوں پرسواروں کو جس ذات حکیم وخبیر اور لطیف وبصیر نے اپنی خاص حکمت اور تدبیر سے متعین فرمایا ہے وہ خود بھی اصل حقائق کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ بلکہ وہ تمام رقیبان عالم ملکوتی وبشری سے بڑھ کر اور اپنے خبیر وبصیر اور لطیف وعلیم بذات الصدور ہونے اور خالق الصدور والقلوب ہونے کے باوجود اپنا مرکز نظر بھی انسانوں خصوصاً مسلمانوں کے دلوں کو بناتا ہے۔ وہ خود فرماتا ہے کہ تمہاری یہ حیات وموت کی خلقت جو میں نے کر رکھی ہے وہ تمہارے عملوں کو اچھائی کی کسوٹی پر پرکھنے اور آزمانے کے لئے رکھ چھوڑی ہے۔ تاہم اس کا اصل نشانہ اور مرکز نظر تمہارا قول وعمل، زبانی جمع خرچ عظیم الشان کارنامہ، حق و انصاف اور ایمان اور کرم، ملک وملت، دین وشریعت اور عام انسان کے کام آنے والے خوشنما نعرے، وعدے، مینوفیسٹو، چناوی چارٹ، ایجنڈے اور ترجیحات نہیں ہیں بلکہ تمہارے دل اور تمہاری نیت ہے جس پر فیصلہ ہوگا ''یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ'' (الطارق:۹) ''جس دن پوشیدہ بھیدوں کی جانچ پڑتال ہوگی'' اور'' وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ''(العٰدیات:۱۰) ''اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کردی جائیں گی'' کا جب بازار گرم ہوگا تو حساب ایک ایک عمل اور نقل و حرکت کا ہوگا، اعضا وجوارح بھی حتی کہ رواں رواں جواب دہ ہوں گے۔ مگر دلوں کا معاملہ بڑے حتمی فیصلہ کی طرف لے جائے گا۔ عمل کا ردعمل اور مکافات عمل تو فطری چیز ہے مگر اس میں کافی کچھ کمی بیشی کی گنجائش ہے۔ مگر دلوں کا معاملہ بیحد اٹل ہے اور اسی پر کل حساب وکتاب کا معاملہ موقوف ہے ''یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ. اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الشعراء۸۸-۸۹) ''جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔ لیکن فائدے والا وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے''۔ اس میں قول وعمل کی درستگی، اس کی اچھائی اور اس کی اہمیت وضرورت کو بہر طور درشاتے، اس پر ابھارتے اور اسے فرض وقرض بتاتے رہنے کے باوجود کہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اور اسی پر جنت وجہنم اور نتیجہ کار کی بات کرنے کے علی الرغم دل کو ہی اللہ جل شانہ نے مرکز نظر بنایا اور وہی اس کو مطلوب ہے۔ دیکھئے کیا ارشاد ہوتا ہے اور اس کے سب سے پیارے رسول کیا فرماتے ہیں۔ ''ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم وأعمالکم' (مسلم) 'بیشک اللہ تعالیٰ شکلوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ (الحج:۳۷) ''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ ''التقویٰ ھا ھنا '' تقویٰ تو یہاں ہے، یہاں ہے۔ یہاں تم اسے گوشت وپوست میں ڈھونڈھ رہے ہو جبکہ معلوم ہے کہ قربانی میں بہتر سے بہتر جسمانی وظاہری قوت اور خوبصورتی کی ترغیب ہے لیکن محبوب ومطلوب دلوں کا تقوی ہے۔

آج مسلمانوں نے عام زندگی میں جو معیار بنا رکھا ہے وہ ہے مال ودولت کی فراوانی، جاہ ومنصب اور دنیاوی قدر ومنزلت کی طلب، دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ اور الیکشن کے موقع پر ہر انسان حتی کہ مسلمان بھی اپنا ذاتی فائدہ، جماعتی فائدہ، خاندانی مفاد اور بچاؤ پیش نظر رکھتا ہے اور ذاتی وجماعتی اثر ورسوخ، آڑے وقت میں کام آنے والے کنڈی ڈیٹ اور اپنے مفاد میں کچھ کرنے والی پارٹیاں، ذاتی دوستی اور مفاد پر مبنی لیڈر اور امیدوار کی تائید وتوثیق بھی کی جاتی ہے، کسی ہاہو بلی کا خوف، کسی فسطائی پارٹی اور ظالم پارٹی یا امیدوار کی حمایت ملک وملت کو درپیش خطرات ونقصانات سے قطع نظر محض اپنی اور اپنی جماعت کی موہوم وپرفریب حمایت وحفاظت کے لیے ہو کر رہ گئی ہے، یہ سب چیزیں کبھی بھی اصلاح وسدھار نہیں لاسکتیں، جب نیتوں میں اخلاص اور دلوں میں قوم وملت کے لیے جذبۂ خیر نہ ہو۔ سارے مفادات اور مصالح سے قطع نظر کرتے ہوئے خالصتاً لوجہ اللہ، ملت وملک اور عوام کا مفاد اور ان کی ضرورت وحاجت پیش نظر ہونی چاہیے۔ ورنہ کوئی بھی آئے جائے یا تبدیلی ہو جائے مگر ہماری بھلائی نہیں ہوسکتی۔ جو بھی آئے گا ہماری نیتوں کے کھوٹ اور دلوں کے روگ کی وجہ سے ہماری زندگی اجیرن کردے گا۔ ہمارے دین وشریعت کو ختم کرنے کے درپے ہوگا۔ ہمارا عملی اور قلبی کھوٹ اور کوتاہی اور احسان فراموشی، خودفراموشی، ملت فراموشی اور وطن فراموشی قوم کی بربادی کے ساتھ ساتھ دنیا وآخرت میں بھی تباہی کا ذریعہ بنیں گی اور ہماری وقتی چالاکی اور منافقت دھوکہ کی ٹٹی ثابت ہوگی۔ اور یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (البقرہ:۹) ''وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں۔'' کے مصداق ہوگا۔ اس لیے کہ عمل میں تقصیر کا مداوا ہوسکتا ہے مگر دلوں کے کھوٹ، زبان کی غلطی اور منافقت ہمیشہ کے لیے تباہی کی دلدل میں ڈال دے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''ای الناس افضل ''لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ شخص جو مخموم القلب ہو اور زبان سے سچ بولنے والا ہو۔ صحابہ کرام نے کہا کہ ''زبان سے سچ بولنے والا تو ہم جانتے ہیں، لیکن یہ ''مخموم القلب'' کیا ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا ''ھو التقی النقی، لا اثم فیه ولا بغی ولا غل و لا حسد '' (ابن ماجہ) مخموم القلب وہ ہے جس کے دل میں

اللہ کا ڈر ہو، جس کا دل صاف ہو، اس میں نہ گناہ ہو اور نہ ظلم ہو اور خیانت ہو نہ حسد''۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ارشاد ہے: **خیر الناس من ینفع الناس** ''لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لیے مفید ہو۔''

اس کی روشنی میں اس ووٹ کے زمانے میں ہر ووٹر اپنے عمل کا حساب، اپنے قول و زبان کا حساب لے اور اپنے دل کا محاسبہ خود کرے اور وہ پارٹیوں اور امیدواروں کو دیکھنے کے ساتھ وہ خود بھی اپنی زبان سے، اپنی سیاست سے، اپنے مال و جان سے کیا کہہ رہا ہے اور ملک وملت کے لیے کتنی سچائی سے بولتا ہے؟ اس میں گھماؤ پھراؤ اور جھوٹ وفریب تو نہیں ہے؟ اور دل میں خشیت الٰہی اور درد ملت وملک کتنا ہے؟ ایسا تو نہیں کہ ہوس نے سینوں میں چھپ چھپ کر کوئی اور دنیا آباد کر رکھی ہے؟ اور پارٹیوں اور ان کے امیدواروں نیز ان کے انتخابی منشورات پر نظر اور اس کے جائزے کے ساتھ اپنے نفس کو فراموش تو نہیں کر رہا ہے؟ ہم عالمی، قومی اور مقامی طور پر ہر طرح کی تبدیلی لانے اور اسلام، مسلمانوں اور انسانوں کے حق میں کیا سوچتے ہیں؟ ایسا تو نہیں ہے کہ ہم بھی عام دنیا داروں کی طرح سوچتے اور کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک عام سیاسی آدمی اور پارٹی کارکن اور لیڈر سوچتا اور کرتا ہے۔ بسا اوقات ایک خالص دنیادار سیاسی لیڈر اور ورکر اپنی پارٹی کے مفاد کے لیے کام کرتا ہے۔ وہ پارٹی غلط ہو یا صحیح، زیادہ سے زیادہ اپنا ذاتی مفاد اس پارٹی سے وابستہ رکھتا ہے۔ اس کے ڈسپلن اور طریقہ کار کے دائرے میں رہتا ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے جو ناگزیر حالات میں اس کے باہر کی سوچتا ہو۔ مگر وہ ووٹر جو ساری اصلاح کا ٹھیکیدار ہے اور اس کی اصلی ذمہ داری بھی ہے۔ موجودہ حالات میں اس کے ہاتھ میں ووٹ کی شکل میں پاور بھی ہے۔ وہ اپنے مفادات ومنافع اور مصالح میں اتنا اندھا ہے کہ وہ کسی حد تک جانے، بک جانے، گر جانے، ڈگ جانے اور قوم وملت کو دھوکہ و چکمہ دینے سے بھی نہیں ڈرتا اور نہ سودہ کرنے سے چوکتا ہے، نہ ملک وملت اور عوام وخواص کو صدمہ دینے سے رکتا ہے۔ اب ایسے میں کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟ امت کیسے فلاح یاب ہو، بلاؤں کے کھنور سے کیسے نکلے، دین وشریعت کیسے بچے، مقدسات کیسے محفوظ رہیں، عزتیں کیسے نہ لٹیں اور نت نئی مصیبتیں کیوں نہ آئیں؟ ملک میں امن وخوشحالی اور بھائی چارہ و ہمدردی کیسے پروان چڑھے۔ ایک میر جعفر و میر صادق اگر بنگال و جنوب اور دکن کو تباہ و برباد کر سکتا ہے تو جب ہر کوچہ وگلی اور نکڑ پر منبر ومحراب میں، مساجد و مدارس، جمعیات و جماعات، منادر ومعابد اور صوامع وصلوات میں ایسے رہنما وخدام دین وملت پڑے اور کڑھے ہوں اور عوام چند فنکاروں کو اندھ بھکت کہہ کر خود کالانعام اور اندھے مقلد بنے پھر رہے ہوں تو پھر ملک وملت کو تباہی سے کون بچا سکتا ہے؟ الغرض

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اور
ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا

اللہ کرے ایسا نہ ہو، مگر دل کے دریچوں سے ہی نہیں، سر کی آنکھوں سے بھی جس کا مشاہدہ کیا ہے اس کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے۔ آخر عین الیقین میں لفظ عین کس بات کی غمازی کر رہا ہے؟ پھر'' **مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى** ''(النجم:۱۱) میں ''مارای'' کی دنیاوی وعینی رویت کے معنی پر غور کرنا چاہئے تاکہ فریب نظر کا گمان نہ ہو۔ میں آپ کے قسوۃ قلب کا شکوہ تو نہیں کر سکتا مگر اپنے قلم کا قصور ضرور تصور کروں گا مگر اس دعا کے ساتھ:

محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

اس لیے جو جہاں ہے ان میں بعد از خرابی بسیار ہی سہی سدھار آجائے۔ قلوب واذہان کا فساد اگر موجب ہلاکت وباعث فناد عذاب ہے تو **ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمن** بھی ایک حقیقت ہے جسے وہ جس طرح سے چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے۔ اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ دلوں کی کجی کو دور کر کے نور الٰہی سے بھر دے۔ ''**وليس ذلك على الله بعزيز**''

ضروری ہے کہ بندے بھی احساس کریں اور **یا مصرف القلوب صرف قلبی علی طاعتک، یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک** ۔ کا ورد زباں پر جاری رکھیں۔ اور یوم حساب وکتاب اور نتیجے اور رزلٹ کے دن کو دل پر لے لیں۔ ایکزٹ پول اور ہلہ بول کے چکر میں نہ پڑ کر حتمی نتیجے کی تیاری پوری ایمانداری اور ہوشیاری اور دانائی سے کر کے حاضر دربار عالی ہوں۔ جہاں صرف اور صرف رحمٰن کے اذن سے کاؤنٹنگ ہوگی اور **وقال صوابا** کا سماں ہوگا EVM مشین کی صحت وصفائی کی نہ گارنٹی کی بات ہوگی اور نہ اس کے خراب اور جعلی ہونے کا قصہ ہوگا۔ بلکہ **وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ** (الانبیاء:۴۷) ''قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو کو پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر رائی کے ایک دانے کے برابر بھی عمل ہوگا ہم اسے لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے'' کا منظر وماحول ہوگا۔ لہٰذا نیت کو درست کیجئے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

دل ترا نظر الٰہی کا رہا مرکز سدا
ہو حساب اس پر دِلا! روز جزا

اور آیئے دعا کریں کہ **یا ارحم الراحمین برحمتک استغیث، اللھم اصلح لی شانی کلہ ولا تکلنی الی نفسی طرفة عین۔**

آمین آمین لا ارضی بواحدة
حتی اضیف الیه الف آمینا

پانی ایک عظیم نعمت

مولانا خورشید عالم مدنی، پٹنہ

اللہ تعالی کی بے شمار نعمتوں میں سے اہم ترین نعمت پانی بھی ہے۔ یہ آب حیات ہے۔ اس پر صرف انسان کی بقاء و حیات نہیں بلکہ تمام جاندار کی زندگی کا دارومدار ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلاَ يُؤْمِنُوْنَ (انبیاء:30) "اور ہر ذی روح کو ہم نے پانی سے پیدا کیا ہے"۔

یہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ اس کی اہمیت وضرورت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب انسان کو پیاس لگتی ہے اور اس کی شدت اسے بے چین و بے قرار کر دیتی ہے۔ خلیفہ ہارون رشید وسیع و عظیم سلطنت کے مالک تھے۔ ان کی وسعت سلطنت کا اندازہ ان کے اس جملہ سے لگائیں جو آسمان میں چھائے بادل کو مخاطب کر کے فرمایا امطری حیث شئت فسیاتنی من خراجک بادل تو جہاں بھی برسے گا وہاں سے میرے پاس خراج (ٹیکس) آئے گا"۔ انہوں نے ابن سماک محدثؒ سے نصیحت کرنے کی گزارش کی اور اپنے خادم کو پانی لانے کو کہا، شیخ نے پوچھا آپ کو سخت پیاس لگی ہو اور یہ پانی نہ ملے تو کیا کریں گے؟ خلیفہ نے جواب دیا: اس پانی کو حاصل کرنے کے لیے میں اپنی آدھی سلطنت بیچ دوں گا۔ شیخ نے پوچھا: اگر یہ پانی پیٹ سے باہر نہیں نکلے تو آپ کیا کروگے؟ فرمایا: اسے نکالنے کے لئے میں باقی آدھی سلطنت بھی لٹا دوں گا۔ شیخ نے فرمایا: آپ کی کل سلطنت کی قیمت اللہ کے ایک گلاس پانی کے برابر ہے۔ اسے سن کر خلیفہ رو پڑے۔

پانی سے مردہ زمین سرسبز و شاداب ہوتی ہے، باغوں میں پھل اور پھول لہلہانے لگتے ہیں، انسان ظاہری نجاست دور کر کے پاک وصاف ہوتا ہے۔ اگر پانی نہ ہوتا تو آباد بستیاں ویران جنگل بن جاتے ہیں، کاروبار جہاں متاثر ہو جاتا ہے، کل کارخانے تعمیرات ٹھپ پڑ جاتے ہیں، معاشی و اقتصادی اصلاح وارتقا کے سارے تانے بانے بکھر جاتے ہیں، چرند و پرند تڑپ جاتے ہیں۔

پرندہ خشک جھیلوں سے یہی بس کہہ گیا آخر
مجھے مجبور ہجرت پر میرے حالات کرتے ہیں

پانی دراصل اللہ کی رحمت ہے۔ قرآن کریم میں اسے رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ (اعراف:57) "اور وہی ہے جو ہواؤں کو رحمت کی بارش سے پہلے خوشخبری کے طور پر بھیجتا ہے" اس پانی کو اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے اور اسے ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں تاکہ ہم اللہ کا شکر ادا کریں اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلاَ يُبْصِرُوْنَ (سجدۃ:27) "کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم خشک اور بنجر زمین تک پانی پہنچاتے ہیں پھر اس کے ذریعے فصل اگاتے ہیں، جسے ان کے جانور اور خود کھاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں؟"

ہم انسان اس سلسلے میں مجبور محض ہیں۔ ہمارے اختیار اور قدرت میں نہیں ہیں کہ جب چاہیں اور جہاں سے چاہیں آسمان سے برسالیں۔ ہمارے بس میں نہیں کہ اگر کنویں، تالاب خشک ہو جائیں تو اپنی طاقت سے پانی نکال لیں یا پانی کو اسٹور کر کے بارش سے بے نیاز ہو جائیں۔

سورہ واقعہ میں اللہ تعالی نے انسانوں سے یہ سوال کیا کہ اچھا تم یہ بتاؤ یہ پانی جسے تم پیتے ہو اسے بادلوں سے تم اتارتے ہو یا اسے ہم برساتے ہیں اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ (واقعہ:69-68) "کیا تم نے اس پانی کے بارے میں غور کیا ہے جسے تم پیتے ہو۔ اسے بادل سے تم نے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟"۔

اللہ تعالی پانی سے بھرے بادلوں کو ہواؤں کے ذریعے مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب بھیجتا ہے، جو شہروں، بستیوں، کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرتا ہے۔ فضا میں پانی کی ٹنکیاں ہیں جن میں لاکھوں ٹن پانی ہوتا ہے، جو ہوا کے دوش پر دنیا کا چکر لگاتے ہیں اور مردہ علاقے کو زندگی بخشتے ہیں وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ (فاطر:9) "اور وہ اللہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے، وہ ہوائیں بادل کو ابھارتی ہیں، جسے ہم مردہ علاقے تک لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی دیتے ہیں۔ اسی طرح انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے"۔

اللہ تعالی حضرت انسان سے یہ پوچھتا ہے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے پینے کا پانی زمین میں اتر جائے، اس کا لیول اتنی گہرائی میں کر دیں کہ ساری مشینیں اسے نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتلاؤ پھر کون ہے جو تمہیں جاری صاف پانی مہیا کرے گا قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ (ملک:30)

اللہ تعالی نے پانی کو بابرکت بنایا ہے وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (ق:9) اس کے قطرے چٹیل زمین کو سرسبز و دلکش بنا دیتے ہیں اور زمین والوں کی زندگی میں تابندگی پیدا کرتے ہیں اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ"(حج:63)" کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے بارش برساتا ہے، پس زمین سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔ بیشک اللہ بہت ہی باریک بیں، پوری خبر رکھنے والا ہے"۔ پانی میں صحت اور بقائے حیات کی صفت رکھی ہے۔ اگر انسان صحت مند ہے تو وہ دین اور دنیا کے تمام امور کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت انسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اور پانی کی اہمیت کے پیش نظر اسے آلودہ کرنے سے منع فرمایا ہے" لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُم فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجرِي، ثُمَّ يَغتَسِلُ فِيهِ" (بخاری:239)" کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے۔ ممکن ہے اس پانی سے اسے غسل کرنا پڑے"۔ اس حکم نبویؐ میں وہ تمام ناپاک اشیاء اور غلیظ چیزیں شامل ہیں جو آبی آلودگی کا سبب بن سکتی ہیں۔ اسی طرح پانی کے برتن کو رات میں ڈھانکنے کا حکم دراصل اس کی نظافت وصفاء کی تعلیم ہے۔ چونکہ اس کی گندگی سے بدترین قسم کے امراض کا شکار ہونے کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح پانی کو ضائع کرنے اور اس کے استعمال میں اسراف سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ دیکھا وہ وضو میں اسراف کررہے ہیں فرمایا"ما هذا السرف يا سعد قال: في الوضوء سرف قال: نعم و ان كنت على نهر جار"(ابن ماجہ:419)" سعد اسراف سے کام لے رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا وضو کرنے میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اگرچہ آپ کسی جاری نہر کے پاس بھی وضو کریں"

آج اس ملک میں لوگ پانی کی قلت کے شکار ہیں، کئی ریاستوں میں خشک سالی کی کیفیت ہے، پانی کی سطح زمین کے نیچے گرتی جارہی ہے، بارش کم ہورہی ہے، ندیاں سکڑ رہی ہیں اور خشک ہورہی ہیں، کسان خودکشی کررہے ہیں اور دوسری طرف ہم پانی کے استعمال میں غیر محتاط ہورہے ہیں، تالابوں کو پاٹ کر پلاٹنگ کررہے ہیں، باغات اور درختوں کو کاٹ کر بلڈنگیں بنائی جارہی ہیں، جس سے گلوبل وارمنگ کے خطرات بڑھتے ہی جارہے ہیں۔

یاد رکھیں! اگر ہم نے پانی جو اللہ کی عظیم نعمت ہے، اس کی قدر نہیں کی، اس کا مناسب استعمال نہیں کیا اور اس کی بقا پر توجہ نہیں دی تو بڑے سنگین حالات پیش آسکتے ہیں۔

اسلام کی نگاہ میں تشنہ لبوں کو سیراب کرنا اور دھوپ کی تمازت سے بے قرار پیاسوں کی حلق تر کرنا ایک عظیم خدمت اور عظیم اجر وثواب کا عمل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں"في كل كبد رطبة أجر"(بخاری:2363)" ہر جاندار کو پانی پلانے میں اجر ہے"

"پیاسے کتے کو پانی پلانے پر اللہ تعالی نے ایک فاحشہ عورت/ بنی اسرائیل کے ایک شخص کی مغفرت کردی"(بخاری:2363/3121)

اور "جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے، اللہ تعالی اس کو نہایت نفیس جنت کی شراب طہور پلائے گا جس پر غیبی مہر لگی ہوگی" (ابو داؤد: 1434)

"عام لوگوں کے لیے کنویں، پائپ کے ذریعے پانی فراہم کرنا یہ صدقہ جاریہ ہے اور دوسروں کو پانی مہیا کرائے جانے کی کوشش کرنا افضل صدقہ ہے " (نسائی، کتاب الوصایا)

اور اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ باران رحمت کا نزول ہو، قلت امطار سے محفوظ رہیں، خشک سالی اور قحط سالی کی مار نہ جھیلیں اور واٹر پرابلم کے شکار نہ ہوں، ہماری کھیتیاں سونا اگلے، باغات پھل پھول سے لدے ہوں، دریا و نالے میں موجوں کی روانی ہوں، صحیح امراض اور غذائی بحران میں مبتلا نہ ہوں، جیون میں سکھ اور شانتی رقص کرے تو:

1) اللہ کے حضور توبہ کریں" اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (نوح:11-10)" تم سب اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، وہ بیشک بڑا مغفرت کرنے والا ہے۔ وہ آسمان سے تمہارے لئے موسلا دھار بارش بھیجے گا"۔

2) اپنے مالوں کا زکاۃ نکالیں۔ ارشاد نبوی ہے "وَلَم يَمنَعُوا زَكَاةَ أموَالِهِم اِلَّا مُنِعُوا القَطرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَولَا البَهَائِمُ لَم يُمطَرُوا" (ابن ماجہ:4019) اگر اپنے مالوں کا زکات روک لوگے تو اللہ آسمان سے بارش روک لے گا۔

3) ایمان وتقوی کی زندگی بسر کریں"وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اعراف:96)" اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے، تو ہم آسمان وزمین کی برکتیں ان پر کھول دیتے"۔

4) شجرکاری (درخت لگانے) کا بھی اہتمام کریں اس لیے کہ درختوں اور پودوں کی وجہ سے آسمان سے پانی برستا ہے، جانداروں کو آکسیجن ملتی ہے، ہواؤں میں اعتدال پیدا ہوتا ہے، فضائی آلودگی ختم ہوتی ہے اور درجہ حرارت میں کمی آتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِن قَامَتِ السّاعَةُ وَفِي يدِ أَحَدِكُم فَسِيلَة، فَإِنِ استَطَاعَ أَن لَا تَقُومَ حَتّى يَغرِسَهَا فَلْيَغرِسهَا" "قیامت برپا ہورہی ہو اور تمہیں درخت لگانے کی نیکی کا موقع مل جائے، تو فوراً یہ نیکی کرڈالو"(البخاری فی "الادب المفرد":479)

اک شجر ایسا محبّت کا لگایا جائے
جس کا ہمسائے کے آنگن میں بھی سایا جائے

اسلام دین جمال وکمال ہے

مولانا عبدالوہاب حجازیؔ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (النور: ۳۵) "اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف ایسر التفاسیر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: یعنی اگر اللہ نہ ہوتا تو نہ آسمان میں نور ہوتا نہ زمین میں، نہ آسمان وزمین میں کسی کو ہدایت ہی نصیب ہوتی، پس وہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان وزمین کو روشن کرنے والا ہے، اس کی کتاب نور ہے، اس کا رسول (بہ حیثیت صفات کے) نور ہے، یعنی ان دونوں کے ذریعہ سے زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی اور روشنی حاصل کی جاتی ہے، جس طرح چراغ اور بلب سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے، حدیث سے بھی اللہ کا نور ہونا ثابت ہوتا ہے: **ولک الحمد أنت نور السموات والأرض ومن فیھن (بخاری باب التھجد باللیل، ومسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب الدعاء فی صلاۃ اللیل)** پس اللہ اس کی ذات نور ہے، اس کا حجاب نور ہے اور ہر ظاہری ومعنوی نور کا خالق، اس کا عطا کرنے والا اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا صرف ایک اللہ ہے۔

نور کے معنی: روشنی، چمک، تاب، جلوہ، تجلی، اجالا وغیرہ ہیں، یہ نور دنیوی واخروی بصیرت اور بصارت دونوں سے محسوس ومعقول ہوتا ہے نور کے ذریعہ پوری کائنات میں حسن وجمال کے جو، ان گنت جگمگاتے مظاہر پائے جاتے ہیں، اسلام کہتا ہے کہ یہ آیت بالا میں مذکور اللہ کی صفت "نور" کے آثار ومظاہر ہیں، یہ کائنات اس لئے روشن روشن، جگ مگ، جگ مگ اور نور کا بے کراں سمندر بنی ہوئی ہے کہ اللہ کی صفت "نور" ہے، اور یہ اس صفت کے آثار ہیں، شاعر مشرق علامہ اقبال اپنے شاعرانہ اسلوب میں کہتے ہیں:

جہاں میں دانش وبینش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شئی چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہانی
یہ دنیا دعوت دیدار ہے فرزند آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوق عریانی

انسان کی علمی کاوشوں سے آج یہ عظیم حقیقت روشن ہو چکی ہے کہ کائنات کی ہر شئی نیوٹران اور الیکٹران وغیرہ کے غایت درجہ خورد بینی ایٹمی ذرات سے مرکب ہے اور خیال ہے کہ تقریباً نظر نہ آنے والے یہ ایٹمی ذرات اس سے بھی باریک ذرات پر مشتمل ہیں، یہ سب تابناک، روشن اور پرنور ہوتے ہیں اور کائنات کے تمام کواکب وسیارات ونیرات کی طرح اینٹی کلاک مثل طواف کعبہ کے نہایت تیز حرکت کرتے ہیں، نور کا یہ کائناتی نظام اور اس کی ایک ہی رخ پر یہ حرکت اللہ کی صفت نور اور صفت ربوبیت ورحمت ہی کا کرشمہ ہے، اسلام کے دین حسن وجمال وکمال کے سر رشتہ اور اس کے سرچشمہ ومنبع کا اس سے اندازہ کر لینا چاہیے۔

علامہ ابوالکلام آزادؒ نے کائنات میں پائے جانے والے قوانین فطرت مثلاً تعمیر وتحسین اور بقائے انفع اور حسن وجمال ظاہری ومعنوی کو اللہ کی صفت "رحمت" کے مظاہر قرار دیتے ہوئے حسن وجمال کائنات کے متعدد عناصر کا ذکر کیا ہے، تفسیر سورہ فاتحہ سے ان کی آئینہ حقیقت نما بلیغ تحریر کا کچھ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"کائنات ہستی کو اس کی مجموعی حیثیت میں دیکھو، یا اس کے ایک گوشۂ خلقت پر نظر ڈالو اس کا کوئی رخ نہیں جس پر حسن ورعنائی نے ایک نقاب زیبائش نہ ڈال دی ہو، ستاروں کا نظام اور ان کی سیر وگردش، سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ، فضاء آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں، بارش کا سماں اور اس کے تغیرات، سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب، حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع، نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ چمن کی رعنائیاں، پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی، صبح کا چہرۂ خنداں اور شام کا جلوۂ محجوب غرض کہ تمام تماشا گاہ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس پردہ ہستی کے پیچھے حسن افروزی وجلوہ آرائی کی کوئی قوت کام کر رہی ہے جو چاہتی ہے کہ جو کچھ ظہور میں آئے حسن وزیبائش کے ساتھ ظہور میں آئے... فطرت نے جس طرح اس بناؤ کے لئے مادی عناصر پیدا کئے اسی طرح اس کی خوبروئی اور رعنائی کے لئے معنوی عناصر کا بھی رنگ وروغن آراستہ کر دیا، روشنی، رنگ، خوشبو اور نغمہ حسن ورعنائی کے وہ اجزاء ہیں جن سے مشاطۂ فطرت چہرۂ وجود کی آرائش کر رہی ہے... قرآن کہتا ہے کہ سب کچھ اس لئے ہے کہ خالق کائنات... میں صفت رحمت ہے اور اس کی رحمت اپنا ظہور وفعل بھی رکھتی ہے.... اس گوشے پر بھی نظر ڈالو کہ جس طرح اس نے جسم وصورت کو حسن وزیبائی بخشی اسی طرح اس کی معنویت کو بھی جمال معنوی سے آراستہ کر دیا، جسم وصورت کا جمال یہ ہے کہ ہر وجود کے ڈیل ڈول اور اعضاء وجوارح میں تناسب ہے۔ معنویت کا جمال یہ ہے کہ

ہر چیز کی کیفیت اور باطنی قوی میں اعتدال ہے، اسی کیفیت کے اعتدال سے خواص اور فوائد پیدا ہوتے ہیں اور یہی اعتدال ہے جس نے حیوانات میں ادراک وحواس کی قوتیں بیدار کردیں اور پھر انسان کے درجے میں پہنچ کر جوہر عقل وفکر کا چراغ روشن کردیا۔''

علامہ آزادؒ نے قرآنی آیات سے مذکورہ بالا معانی کا اثبات کیا ہے، ہمیں اس تحریر میں حسن وجمال کائنات کے ایک مہتم بالشان عنصر نور وروشنی کے حقائق کا اثبات قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ثابتہ اور سلفی علماء محققین کے اقوال کی روشنی میں مقصود ہے، اس موضوع پر لکھنے کا داعیہ خاصہ اس لئے بھی پیدا ہوا کہ عصر رواں میں روشنی اور بجلی کے مختلف انواع واقسام کا اکتشاف انسان اپنی علمی جستجو سے کررہا ہے اور عملی طور پر ان سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہا ہے، ہماری خواہش ہے کہ نوع انسانی اس جگمگاتی کائنات کو اسی نقطہ نظر سے دیکھے جسے اسلام کی روشن شاہراہ کہا جاتا ہے، یعنی اللہ ''نور'' ہے اور کائنات کا نورانی حسن وجمال، آفتاب وماہتاب نجوم وکواکب کی ضوفشانیاں جو انسان کو سر کی آنکھوں سے محسوس ہوتی ہیں، اللہ کی صفت نور کے آثار ومفعولات اور اس کی مخلوقات ہیں، ایک مقام پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا (الفرقان: ٦١) بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں آفتاب اور منور ماہتاب بنایا۔

نور اور تابانی کے یہ عظیم کائناتی اور آفاقی سرچشمے جن سے آفاق کائنات میں روشنی، تجلی اور تابناکیوں کی ندیاں رواں اور سمندر موجزن ہیں جن میں اللہ نے بے شمار فائدے رکھے ہیں، یہ مخلوقات الٰہیہ ہیں، انہیں معبود بنانا انسانی عقل وجذبات کی عظیم کجروی اور بے راہ روی ہے۔

یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نور ہے اور وہ دیگر صفات کی طرح اس صفت میں بھی ایسا باکمال ہے کہ کوئی بھی مخلوق اس کے مثل نہیں ہوسکتی اور یہ کہ کائنات میں موجود تمام تابناکیاں اور جلوہ ریزیاں اسی کے نور کے اثرات ومفعولات ومخلوقات ہیں، اس کے لئے اس تحریر کے رخ پر سجائی گئی سورہ نور کی آیت عظیم دلیل ہے، مزید چند احادیث صحیحہ ثابتہ زیب نظر کریں۔

صحیحین میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اللھم لک الحمد أنت نور السموات والأرض ومن فیھن** (بخاری، **فی التھجد وفی الدعوات**، مسلم، **فی صلاۃ المسافرین**) اے اللہ تیرے لئے تمام صفات کمالیہ اور ساری تعریفات ہیں تو آسمانوں اور زمین اور جو بھی ان میں ہیں سب کا نور ہے۔

صحابی رسول ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: **ھل رأیت ربک؟ فقال: نور أنی أراہ أو قال: رأیت نورا** کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ آپ نے فرمایا: وہاں تو نور تھا کیسے اسے دیکھتا یا فرمایا: کہ میں نے نور دیکھا۔ (صحیح مسلم فی الایمان وغیرہ) یعنی اس نور نے مجھے دیکھنے سے روک دیا، اس معنی کی تائید ابوموسی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مرفوعا مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: **ان اللہ لاینام ولا ینبغی لہ أن ینام، یخفض القسط ویرفعہ، یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النھار وعمل النھار قبل عمل اللیل، حجابہ النور، لو کشفہ لأحرقت سبحک وجھہ ماانتھی الیہ بصرہ من خلقہ** (صحیح مسلم فی الایمان) یقیناً اللہ سوتا نہیں اور نا سونا اس کے لائق ہے، وہ ترازو کو نیچا اونچا کرتا ہے، اس کی طرف رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے چڑھائے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے، اگر اسے کھول دے تو اس کے چہرہ کے انوار کبریائی ان تمام چیزوں کو جلادیں جہاں تک اس کی نظیر پہنچے۔ یہ نور حجاب جو آسمان کے اوپر ہے اللہ کے نور سے منور ہے اور بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے کہ عرش کا نور بھی اللہ کے چہرہ کے نور سے منور ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مشہور دعا طائف میں ہے جو طبرانی، مجمع الزوائد اور سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے: **أعوذ بنور وجھک الذی أشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ أمر الدنیا والآخرۃ ان یحل علی غضبک ... میں تیرے** غضب کے نزول سے تیرے چہرہ کے نور کی پناہ لیتا ہوں، جس کے سامنے ساری تاریکیاں روشنی سے بدل جاتی ہیں اور جس کے باعث دنیا اور آخرت کے معاملات درست ہوجاتے ہیں۔

یہ اللہ کی صفت نور اور اس کے اثر سے منور جگمگاتی کائنات اور آنکھوں سے محسوس کئے جانے والے اس کے پرنور مظاہر کی ایک ادنی سی جھلک ہے، لیکن دعاء طائف سے نور کی ایک زبردست خوبی کا علم ہوتا ہے کہ اس سے دنیا کے اور آخرت کے امور درست ہوجاتے ہیں، علامہ ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے صفت ''رحمت'' کے حقائق کے اثبات میں بقاء انفع کا تذکرہ اسی معنی میں کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''کائنات ہستی کا بناؤ، حسن، ارتقاء قائم نہیں رہ سکتا اگر اس میں خوبی کی بقا اور خرابی کے ازالہ کے لئے ایک اٹل قوت سرگرم کار نہ رہتی، یہ قوت کیا چیز ہے فطرت کا انتخاب ہے، فطرت ہمیشہ چھانٹی رہتی ہے، وہ ہر گوشہ میں صرف خوبی اور بہتری ہی باقی رکھتی ہے، فساد اور نقص محو کردیتی ہے، ہم فطرت کے اس انتخاب سے بے خبر نہیں، ہم اسے بقا اصلح کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اصلح یعنی Fittest علامہ آزاد آگے فرماتے ہیں، ایسا اس لئے کہ یہاں ''رحمت'' کارفرما ہے۔''

دعاء طائف سے نہایت صاف اندازہ ہوتا ہے کہ فطرت کے بقاء اصلح کے

ضابطہ میں صفت ''رحمت'' کے ساتھ صفت ''نور'' کا زبردست عمل ہے، اور روشنی کے محسوس اعمال میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ اس سے بہت سی فاسد چیزوں کا ازالہ کیا جاتا ہے، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ومعلوم أن اصلاحه السموات ولارض بالأنوار وهدايته لمن فيهما هي ربوبيته (الصواعق المرسلة ۱/۴۳۱) یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی اصلاح انوار سے اور ان میں موجود مخلوق کی ہدایت اپنی ربوبیت سے کرتا ہے۔

کائنات کی بے حدوکنار وسعتوں میں پھیلے ہوئے نور مخلوق کے مظاہر اور اس کے بعض خواص کے ذکر اور اس تذکرہ کے بعد کہ یہ اللہ کی صفت ''نور'' کے اثرات ومخلوقات ہیں ہم نور کے ایک اور زبردست نظام کا ذکر کرنے جارہے ہیں جو سر کی آنکھوں سے تو محسوس نہیں ہوتا لیکن اسے بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے، یہی نور فی الواقع انسان کو موت جیسی زندگی سے حقیقی زندگی کی طرف لے جاتا ہے، پستیوں سے بلندی کی طرف اٹھاتا اور نقص سے کمال کا عروج عطا کرتا ہے، کتاب وسنت صحیحہ میں اس مخفی نظام نور کے واضح دلائل پائے جاتے ہیں اور یہ کہ اس ''نور'' کی اصلاح کا عمل اتنا عظیم ہے کہ اس سے انسان نہایت فعال ومتحرک اور خیر وسعادت کی راہوں میں جدوجہد کرنے والا انسان کامل بن جاتا ہے، اتنا کامل کہ موت کی سرحد پار کرنے کے بعد آخرت کی دائمی پُرنور دنیا کا وارث بن جاتا ہے۔

انسانوں کے صلاح وفلاح اور جمال وکمال کے لئے اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نوری مخلوق ملائکہ یعنی فرشتوں میں سے نہایت درجہ طاقتور اور امین فرشتہ جبریل امینؑ کے ذریعہ نازل فرمائی اور اس کتاب کو ''نور'' سے تعبیر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ:۱۶) ''تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضاء رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے۔''

قرآن ہی کے متعلق ایک مقام پر ارشاد فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَاكُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَافِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (الشوریٰ:۵۲) ''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح۔ قرآن۔ کو اتارا ہے، آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، بیشک آپ راہ راست کی رہنمائی کررہے ہیں، اس اللہ کی راہ کی جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی ہر چیز ہے، آگاہ رہو سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔''

اس آیت میں قرآن مجید کے متعدد اوصاف بتائے گئے ہیں یعنی وہ روح ہے، نور ہے اور ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ ہے، روح انسان کے بدن سے نکل جائے تو وہ مردہ بے حس وحرکت کہلاتا ہے اور جب تک وہ بدن میں ہے حس وحرکت کے تمام اعمال انجام پاتے ہیں، قرآن کو اللہ تعالیٰ نے روح اس معنی میں کہا ہے کہ اس پر ایمان لانے سے انسان خیر وسعادت کی راہوں میں دوڑ بھاگ کے لئے تاحیات مضطرب وبے قرار رہتا ہے اور موت کی سرحد پار کرنے کے بعد آخرت کی دائمی پُرسعادت وپُر نور زندگی اسے حاصل ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے علم قرآن اور اس پر ایمان واطاعت کے نور سے مومن انسان کو زندہ کردینے کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام:۱۲۲)

''ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کردیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں۔ کفر وضلالت۔ سے نکل ہی نہیں پایا۔''

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور ایمان کے تقاضا پر عمل کرنے والوں سے متعلق اپنی خصوصی کارسازی اور ان کی مخصوص تربیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ:۲۵۷) ''اللہ خود ایمان لانے والوں کا کارساز ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں وہ انہیں نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنم والے ہیں جو ہمیشہ اس میں پڑے رہیں گے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو علم وحی وایمان کے نور سے منور کردیتا ہے اور کفر ومعصیت کی تاریکیوں کے فاسد مادہ سے ان کی اصلاح کردیتا ہے، جب کہ وحی وایمان کے انکار سے دوسرے لوگ اس نور اور اس کی اصلاح سے محروم ہوکر کفر ومعصیت کے فاسد مادوں کی تاریکیوں پر قناعت کرلیتے ہیں، مگر ایسی فاسد وتاریک اعمال اور ان پر جم جانے والوں کا انجام بتدریج مٹ جاتا اور برباد ہوجاتا ہے۔

خود ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد

فرمایا:یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْ سَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (الاحزاب:٤٥،٤٦)"اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کورسول بنا کر گواہیاں دینے والا، جنت کی خوش خبری سنانے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنایا ہے۔"

اللہ نے آپ ﷺ کو روشن چراغ بنایا ہے باوجودیکہ آپ ابن آدمؑ ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو نوروحی عطا کیا گیا اور آپ اس کتاب الٰہی پر ایمان لائے جو آپ پر نازل کی گئی اور اس ایمان ویقین کا نور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا، اس سے آپ منور چراغ ہوگئے کہ مثل آفتاب لوگ تا قیامت آپ کی سیرت پاک اور آپ کے منور اقوال وافعال سے نور حاصل کرتے رہیں گے۔

نور کے اندر زندگی اور خیر کے لئے جو عظمت اور کفر ومعصیت کی ظلمت سے دوری واصلاح کا جو خاصہ پایا جاتا ہے، اسی کے لئے ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ دعاء نور بہت مبالغہ سے مانگا کرتے تھے، صحیح احادیث میں یہ دعا اس طرح مذکور ہے:

اللهم اجعل في قلبي نورا وفي بصري نورا وفي سمعي نورا وعن يميني نورا وعن يساري نورا، وفوقي نورا، وتحتي نورا وأمامي نورا وخلفي نورا، واجعل لي نورا (بخاری ۸۳/۴، مسلم ۲۶۰/۱)

"اے اللہ میرے دل میں نور دے اور میری بصارت میں نور دے اور میری سماعت میں نور دے اور میرے دائیں نور دے اور میرے بائیں نور دے اور میرے اوپر نور دے اور میرے نیچے نور دے اور میرے آگے نور دے اور میرے پیچھے نور دے اور میرے لئے نور دے۔"

اور بعض روایات میں ہے: **وفي لساني نورا، وفي عصبي نورا وفي لحمي نورا وفي دمي نورا وفي شعري نورا وفي بشري نورا**

"اور میری زبان میں نور دے اور میرے پٹھے میں نور دے اور میرے گوشت میں نور دے اور میرے خون میں نور دے اور میرے بالوں میں نور دے اور میرے ظاہر بدن میں نور دے۔"

صحیحین کی ایک روایت میں ہے: **واجعل في نفسي نورا، واعظم لي نورا** اور میری جان میں نور دے اور میرے لئے بڑا نور دے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے:

اللهم أعطني نورا اے اللہ مجھ کو نور دے۔

علامہ ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں:

"اسی طرح وہ "رحمت" کے مادی مظاہر سے انسانی اعمال کے معنوی قوانین پر بھی استدلال کرتا ہے، وہ کہتا ہے جس "رحمت" کا مقتضا یہ ہوا کہ دنیا میں بقاء انفع کا قانون نافذ ہے، یعنی وہی چیز باقی رہتی ہے جو نافع ہوتی ہے کیونکر ممکن تھا کہ وہ انسانی اعمال کی طرف سے غافل ہوتی اور نافع اور غیر نافع اعمال میں امتیاز نہ کرتی، پس مادیات کی طرح معنویات میں بھی یہ قانون نافذ ہے اور ٹھیک اسی طرح اپنے احکام ونتائج رکھتا ہے، جس طرح مادیات میں تم دیکھ رہے ہو، اسی سلسلہ میں وہ دو لفظ استعمال کرتا ہے "حق" اور "باطل" سورہ رعد میں جہاں قانون "بقاء انفع" کا ذکر کیا ہے، وہاں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس بیان سے مقصود "حق" اور "باطل" کی حقیقت واضح کرنا ہے۔

سورہ رعد کی جس آیت کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے وہ مع ترجمہ یہ ہے:

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌۢ بِقَدَرِھَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْہِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَۃٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُہٗ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّھِمُ الْحُسْنٰی وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَہٗ لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لَافْتَدَوْا بِہٖ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ (الرعد:١٧–١٨)

"اسی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنی اپنی وسعت کے مطابق ندی نالے بہہ نکلے پھر پانی کے ریلے نے اوپر چڑھے جھاگ کو اٹھا لیا اور اس چیز میں جس کو آگ میں ڈال کر تپاتے ہیں، زیور یا ساز وسامان کے لئے اسی طرح کے جھاگ ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے، اب جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے، لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے، جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی بجا آوری کی ان کے لئے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اس کی حکم برداری نہ کی، اگر ان کے لئے زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اسی کے ساتھ ویسا ہی اور بھی تو وہ سب کچھ اپنے بدلے میں دے دیں، یہی ہیں جن کے لئے برا حساب ہے اور جن کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بہت بری جگہ ہے۔"

کفار کے باطل اعمال کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰھَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور:٤٠)

"یا کافروں کے اعمال باطلہ مثل تاریکیوں کے ہیں جو نہایت گہرے سمندروں میں ہوتی ہیں جنہیں موج بالائے موج نے ڈھانپ رکھا ہو پھر اس کے اوپر بادل گھرے ہوں، یہ تہہ بہ تہہ تاریکیاں ہیں، جب اپنا ہاتھ نکالے تو قریب ہے کہ اسے بھی

نہ دیکھ سکے اور جسے اللہ تعالی ہی نور نہ دے اس کے لئے کوئی نور نہیں۔''

دنیا میں اعمال باطلہ کی تاریکیوں نے اسے نور ایمان سے محروم رکھا اور موت کی سرحد پار کرنے کے بعد آخرت میں اہل ایمان کو جو نور عطا ہوگا اس سے بھی محروم رہے گا۔

سورہ رعد کی آیت سترہ، اٹھارہ میں مذکورہ حقیقت کی وضاحت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:

وكذلك يضرب الله الأمثال للوحي الذي أنزله حياة للقلوب ونورا لها بالماء الذي ينزله من السماء حياة للأرض وبالنار التي يحصل بها النور وهذا كما في قوله تعالى: أنزل من السماء ماء فسألت أودية بقدرها..الخ فشبه العلم بالماء المنزل من السماء لان به حياة القلوب كما أن به حياة الأيمان، وشبه القلوب بالأودية لأنها محل العلم كما أن الأودية محل الماء، فقلب يسع علما كثيرا وواد يسع ماء كثيرا وقلب يسع علما قليلا، وواد يسع ماء قليلا، وأخبر تعالى انه يعلو على السيل من الزبد بسبب مخالطة الماء وانه يذهب جفاء، أي يرمي به ويخفى، والذي ينفع الناس يمكث في الأرض ويستقر، وكذلك القلوب تخالطها الشهوات والشبهات، فاذا ترابى فيها الحق ثارت فيها تلك الشهوات والشبهات، ثم تذهب جفاء، ويستقر فيها الايمان والقرآن الذي ينفع صاحبه والناس، وقال: ومما يوقدون عليه في النار... الخ فهذا المثل الآخر وهو الناري فالأول للحياة، والثاني للضياء، ونظير هذين المثالان المذكوران في سورة البقرة في قوله تعالى "مثلهم كمثل الذي استوقد نارا الخ الى قوله تعالى: أو كصيب من السماء فيه ظلمات ورعد وبرق...الخ (مجموع فتاوی ۱۹/۹۴، ۹۵)

اسی طرح اللہ تعالیٰ وحی کی مثالیں پانی اور آگ سے بیان کرتا ہے جسے دلوں کی زندگی اور ان کے نور کے لئے نازل کیا، پانی جسے آسمان سے زمین کی زندگی کے لئے اتارتا ہے اور آگ جس سے نور حاصل ہوتا ہے جیسے اللہ کا فرمان ہے: **أنزل من السماء ماء فسالت أو دية بقدرها**... اس آیت میں علم کو آسمان سے اتارے گئے پانی سے تشبیہ دیا ہے، اس لئے کہ علم سے دلوں کی زندگی ہے جس طرح پانی سے بدن کی زندگی ہے اور دلوں کو ندیوں سے تشبیہ دی ہے، اس لئے کہ دل علم کی جگہ ہے جس طرح ندیاں پانی کی جگہ ہیں، کسی دل میں علم کی بڑی سمائی ہوتی ہے، جیسے کسی ندی میں پانی کی بڑی سمائی ہوتی ہے اور کسی دل میں علم کی کم سمائی ہوتی ہے۔ جیسے کسی ندی میں کم پانی کی سمائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالی نے بتلایا کہ پانی کے ریلے پر پانی کے ملنے کے سبب جھاگ چڑھ آتی ہے اور وہ رائیگاں اور چھانٹ کر پھینک دی جاتی ہے، اور لوگوں کو نفع دینے والا پانی زمیں میں ٹک جاتا ہے، اسی طرح دلوں میں علم وحی کے ساتھ خواہشات نفسانی اور شبہات ملتے ہیں پھر جب حق ان دلوں میں بڑھنے لگتا ہے تو خواہشات نفسانی اور شبہات جوش کھاتے ہیں پھر وہ چھنٹ کر رائگاں ہوجاتے ہیں اور ان میں ایمان اور قرآن ٹک جاتا ہے، جو ایمان والے کو اور دوسرے لوگوں کو نفع دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ومما يوقدون عليه في النار الخ** یہ دوسری مثال ناری ہے، پہلی زندگی کے لئے دوسری نور وضیاء کے لئے، ان دونوں مثالوں کی نظیر سورہ بقرہ کے شروع میں پائی جاتی ہے۔ یعنی **مثلهم كمثل الذي استوقدنارا..الخ الى قوله تعالى: أو كصيب من السماء فيه ظلمات ورعد وبرق ...الخ**

شیخ الاسلامؒ کی اس تحریر میں قرآن مجید کی ناری مثالوں کی توضیح دیکھئے کہ نوروحی وایمان کس طرح باطل کی تاریکیوں کی چھنٹائی کر کے نور حق کو جاگزیں کر دیتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ بات بھی صاف معلوم ہوتی ہے کہ نور ایمان سے صادر ہونے والے اعمال کے اثرات ونتائج اس دنیائے فانی میں ختم نہیں ہوجاتے بلکہ موت کی سرحد پار کرنے کے بعد آخرت کی دائمی زندگی میں بے پناہ پُرنور صورت میں ظاہر ہوں گے، قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (الحدید: ۱۲-۱۳)

''قیامت کے روز تم دیکھو گے کہ مومن مرد اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا، آج تمہیں ان جنتوں کی خوش خبری ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے، یہ بڑی کامیابی ہے، اس دن منافق مرد وعورت ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں، جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو پھر ان کے اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی، جس میں دروازہ بھی ہوگا اس کے اندرونی حصہ میں تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔''

☆☆☆

قوموں کی بقا میں اخلاق کا کردار

تحریر: ڈاکٹر محمد بن ابراہیم السعیدی
مولانا عبدالمنان شکراوی

وانما الامم الاخلاق مابقیت .. فان هم ذهبت اخلاقهم ذهبوا

(قومیں اخلاق ہی کا نام ہیں جب تک اخلاق باقی رہیں گے وہ بھی باقی رہیں گی اور جب اخلاق گئے تو سمجھو وہ بھی گئیں۔)

احمد شوقی رحمہ اللہ کا یہ شعر صرف اس حکمت ودانائی کو ہی بیان نہیں کرتا جس کے ساتھ قافلے سفر کرتے ہیں یا جسے بوڑھے اور بچے گنگناتے ہیں بلکہ اس کائناتی دستور کا خلاصہ ہے جو اس سرزمین کی سرداری کے لیے تہذیبوں کی آمد ورفت کا سبب بنتے ہیں۔ یا جسے موجودہ دور کے فلاسفہ تفسیر التاریخ کا نام دیتے ہیں۔ احمد شوقی نے اس شعر کے ذریعہ تہذیبوں کی بقاء اوران کے زوال کی اخلاقی تفسیر کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ موٹی سی بات ہے کہ امتیں تبھی تک باقی رہتی ہیں جب تک ان کے اخلاق درست رہتے ہیں اور جب اخلاق نہیں رہتے تو وہ بھی نہیں رہتیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ رائے بالکل درست ہے جس کی تصدیق قرآن کریم کے اندر متعدد آیات میں کی گئی ہے۔ ان آیات میں اخلاق کو لازم پکڑنے کی تعبیرات کو انتہائی باریکی کے ساتھ اورانسان کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جن میں ایک اصطلاح تقویٰ کی ہے۔ اخلاقی گراوٹ کو وسیع تر مفہوم میں تکذیب سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (الاعراف:۹۶) ترجمہ: اوراگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اورزمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔''

قوموں کے زوال کو آیت کریمہ میں اخذناھم یعنی ہم نے ان کو پکڑ لیا سے تعبیر کیا ہے اور بعد والی آیت میں اصبناھم یعنی ہلاک کر ڈالا سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (الاعراف:۱۰۰) ترجمہ: ''کیا ان لوگوں کو جو زمین کے وارث ہوئے وہاں کے لوگوں کی ہلاکت کے بعد (ان واقعات مذکورہ نے) یہ بات نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے جرائم کے سبب ان کو ہلاک کر ڈالیں اور ہم ان کے دلوں پر بند لگا دیں، پس وہ نہ سن سکیں۔''

اخلاق سے عاری قومیں مٹ گئیں: دیگر آیات میں اخلاق کو صلاح واصلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اوراخلاق کے ختم ہوجانے کو فساد، افساد اور ظلم سے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (ھود:۱۱۶۔۱۱۷) ترجمہ: ''پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہل خیر ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، سوائے ان چند کے جنہیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی، ظالم لوگ تو اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی اور وہ گنہگار تھے۔ آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں۔''

اخلاق سے عاری نسلیں اس لیے ختم ہوگئیں کیونکہ وہ فساد وبگاڑ کو اچھا سمجھتی تھیں اور برائی سے روکنا ان کی عادت میں شامل نہ تھا۔ ظلم وعدوان کی وجہ سے کہ جس نے انہیں سرکشی کے راستے پر لگا دیا تھا، ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ اصلاح کا ماحول اوراس کی عملداری اگر جاری وساری رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ قومیں بربادی کی ڈگر پر جائیں۔ مذکورہ آیات میں قوموں اورامتوں کو بستیوں سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ مراد قومیں ہی ہیں۔ قوم یا امت کا مفہوم دراصل بستی کے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے جبکہ بستی کبھی کبھی پوری قوم ہوسکتی ہے۔ لیکن فوری طور پر ذہن میں امت کا جو مفہوم آتا ہے وہ بستی کے مفہوم سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے، شاید یہ اسی کی رعایت ہے جسے اصولی لوگ اولیٰ کا مفہوم دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اصلاح کے ذریعہ اہل قریہ (بستی) سے ہلاکت وبربادی کو دور کرے گا، اسی طرح فساد وبگاڑ انہیں بربادی سے دوچار کرے گا تو یہی دستور بدرجہ اولیٰ عدد اور مکان کے اعتبار سے سب سے بڑی امت میں اپنا کام کرے گا۔

نافرمانی سے اخلاقی گراوٹ: دیگر آیات قرآنیہ، اخلاقی زوال کو نافرمانی سے تعبیر کرتی ہیں اوران سے یہی نتیجہ یعنی ہلاکت نکلتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (الاسراء:۱۶) ترجمہ: ''اور جب ہم کسی بستی کی

ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔'' یہ آیت ہمیں براہ راست کائناتی نظام کی گفتگو یا جسے موجودہ دور کے فلاسفہ تفسیر التاریخ کا نام دیتے ہیں اس سے براہ راست ان اسباب کی طرف منتقل کر دیتی ہے جو عادۃً موجودہ دور کی تعبیر کے مطابق کمیونٹی شفٹ یا قرآنی تعبیر کے مطابق امت، قرن اور قریہ کے پس پشت ہوتے ہیں یعنی اخلاق کے پیکروں سے اخلاق باختہ لوگوں کی طرف۔

منتقلی کے اسباب: یہ آیت کریمہ جس منتقلی کے اسباب میں سے ایک سبب کی طرف اشارہ کر رہی ہے وہ ہے خوشحالی جو کہ اخلاق اور اس کے تقاضوں کو ایک طرف ڈال دیتی ہے اور خوشحال لوگوں سے مراد وہ ہیں جو ناز و نعم میں پل بڑھ رہے ہیں۔ کیونکہ بندہ جب نعمتوں سے سرفراز ہوتا ہے تو اکثر اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں سستی و کاہلی کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔ اس کے اندر کچھ نہ کچھ کبر و غرور پیدا ہو جاتا ہے جو اس کے اندر خشیت الٰہی کم اور حرام چیزوں سے ڈر و خوف کمزور پڑ جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى (العلق:۶-۷) ترجمہ: ''سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا (یا تونگر) سمجھتا ہے۔''

اسی طرح جو لوگ خوشحال ہوتے ہیں اخلاق و عادات میں ان کے پیروکاروں کی کثرت ہو جاتی ہے۔ ان کے اندر بگاڑ و فساد پیدا ہوتا ہے یا نافرمانیاں بڑھ جاتی ہیں تو بغیر حکم دیے سوسائٹی پر ان کا اثر پڑتا ہے۔ بڑے لوگوں کی اس طرح کی پیروکاری طبعی ہوتی ہے۔ یہ بات یعنی مال و دولت کی فراوانی کے باعث کجروی و بے راہ روی کا قرآن کریم میں سرسری ذکر نہیں ہے بلکہ اسے بہت سارے مقامات پر تاکید کے ساتھ اور زور دے کر بیان کیا گیا ہے۔ جن میں سورہ ھود کی مندرجہ بالا آیت: واتبع الذین ظلموا مااترفوا فیه وکانوا مجرمین۔ کے علاوہ یہ فرمان باری تعالیٰ بھی ہے: فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ (الانبیاء:۱۲،۱۳) ترجمہ: ''جب انہوں نے ہمارے عذاب کا احساس کر لیا تو لگے اس سے بھاگنے۔ بھاگ دوڑ نہ کرو اور جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی وہیں واپس لوٹو اور اپنے مکانات کی طرف جاؤ تاکہ تم سے سوال تو کر لیا جائے۔'' اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ: وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ (المؤمنون:۳۳) ترجمہ: ''اور سرداران قوم نے جواب دیا، جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا پانی ہی یہ بھی پیتا ہے۔'' قرآن کریم نے بار بار اس بات کی تاکید کی ہے کہ خوشحالی، معاشروں اور سوسائٹیوں میں اخلاقی انحراف و بے راہ روی کا اہم سبب ہے۔

اقتصادی رویوں کا حل: قرآن کریم کے اندر بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں جن میں ایک مسلم شخص کے اقتصادی رویوں کے حل کی جانب رہنمائی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مال کی طلب و جستجو سے نہیں روکتا۔ اسی طرح بڑی سے بڑی مالداری سے منع نہیں کرتا۔ قرآن کریم کے اندر ایک آیت بھی اسی طرح حدیث شریف کے اندر ایک حدیث یا اثر بھی نہیں پائیں گے جس میں بڑی سے بڑی مقدار کے بعد مال حاصل کرنے پر بندش لگائی گئی ہو کہ جہاں جا کر انسان رک جائے بلکہ مال کو دنیاوی زندگی میں اسی طرح زینت سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح اولاد کو زینت کہا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ بندے کے دل میں اس بات کو بھی جاگزیں کیا گیا ہے کہ گرچہ مال دنیوی زندگی کی جائز زینت ہے لیکن اللہ کا ذکر اور دیگر سارے نیک اعمال اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ اسی طرح ذہن و دماغ میں اس بات کی تخم ریزی کی گئی ہے کہ جس طرح مال، زینت ہے اسی طرح فتنہ بھی ہے۔ یعنی اگر انسان اسے راہ حق میں صرف نہ کرے تو سیدھے راستے سے ہٹا بھی سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (الکہف:۴۶) ترجمہ: ''مال و اولاد تو دنیا ہی کی زینت ہے، اور (ہاں) البتہ باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک از روئے ثواب اور (آئندہ کی) اچھی توقع کے، بہت بہتر ہیں۔'' دوسری جگہ ارشاد فرمایا: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (التغابن:۱۵) ترجمہ: ''تمہارے مال اور اولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہیں۔ اور بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے۔'' بندے کے نفس میں مال کے مفہوم کے لیے اس طرح کی ذہن سازی لازمی و ضروری ہے تاکہ وہ اسے ایسی خوشحالی تک نہ پہنچا دے جو اخلاق و کردار کے ضائع ہونے کا سبب بن جائے اور بعد ازاں قوم کی بربادی پر جا کر دم لے۔

مال خرچ کرنے کے سلسلے میں درست طریقۂ کار: قرآن کریم نے مال کے سلسلے میں صحیح طریقۂ کار کی بھی حد بندی کر دی ہے۔ بندے کے لیے ضروری و لازمی ہے کہ وہ اپنے آپ کے علاوہ دیگروں پر مال خرچ کرنے کی عظیم ذمہ داری کو حسن و خوبی نبھائے۔ ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ اتنا زیادہ نہ خرچ کر ڈالے کہ وہ خود کنگال بن کر رہ جائے یا معاشرے کے رویے پر اس

کا غلط اثر پڑے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (الاسراء:۲۶) ترجمہ:''اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو اور اسراف اور بیجا خرچ سے بچو۔''

اور اس آیت کریمہ میں تو فصاحتی انداز کی ایک انوکھی و بے مثال شکل پیش کی گئی ہے:وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (الاسراء:۲۹) ترجمہ:''اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ پھر ملامت کیا ہوا درماندہ بیٹھ جائے۔''

قوم کے اخلاق کا تحفظ :معلوم ہوا کہ قوم کے اخلاق و کردار کا تحفظ ہی قوم کی بقا اور نجات کا ضامن ہے اور اسی ذریعے سے اسے الٰہی عذاب و پکڑ سے بچایا جاسکتا ہے۔لیکن کچھ ایسی قومیں جنہوں نے اپنے اخلاق و کردار کو ضائع و برباد کر دیا اور پھر بھی وہ دندناتی پھرتی ہیں اور الٰہی عذاب و پکڑ سے بچی ہوئی ہیں، کمزور قسم کے لوگ انہیں دیکھ کر فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح کی قوموں کے رویے سے دلیل پکڑنے لگتے ہیں کہ اخلاق و کردار کا بگاڑ یا جسے باطل پرستوں کی زبان میں کھلا پن کہا جاتا ہے اس کی خرابی کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔لیکن قرآن کریم نے اس انداز فکر کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی ہے چنانچہ فرمایا:وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (آل عمران:۱۷۸) ترجمہ:''کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، یہ مہلت تو اس لیے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں، ان ہی کے لیے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں۔'' کائنات کے سلسلے میں الٰہی دستور کے نفاذ میں دیر تو ہو سکتی ہے اندھیر نہیں ہو سکتا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اخلاقی زوال یا بگاڑ کا شکار ہونے والوں کی پکڑ و سرزنش پر دیری یا ڈھلائی سے دھوکہ کھانے والوں کو ڈرایا اور دھمکایا ہے چنانچہ فرمایا:بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الانبیاء:۴۴) ترجمہ: بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو زندگی کے سروسامان دیے یہاں تک کہ ان کی مدت عمر گزر گئی۔کیا وہ انہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں۔اب کیا وہی غالب ہیں؟'' اللہ کا نظام و طریقۂ کار بدل نہیں سکتا وہ ہر حال میں نافذ ہو کر رہے گا چنانچہ فرمایا:سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب:۶۲) ترجمہ:''ان سے اگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا۔اور تو اللہ کے دستور میں ہرگز ردوبدل نہ پائے گا۔''

☆☆☆

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

رجب ۱۴۴۳ھ کا چاند نظر آ گیا

دہلی:۲/فروری ۲۰۲۲ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی سے جاری اخباری بیان کے مطابق آج مورخہ ۲۹/ جمادی الأخری ۱۴۴۳ھ مطابق ۲/فروری ۲۰۲۲ء بروز بدھ بعد نماز مغرب بمقام اہل حدیث کمپلیکس، اوکھلا ،نئی دہلی مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی کی ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی اور رؤیت ہلال ماہِ رجب کے سلسلے میں حسب سابق ملک کے اکثر صوبوں کے ذمہ داروں اور ملی تنظیموں سے بذریعہ فون رابطے کیے گئے جس میں کئی صوبہ سے رؤیت ہلال کی مصدقہ و مستند خبر موصول ہوئی۔ بنابریں مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی نے یہ فیصلہ کیا کہ کل مورخہ ۳/فروری ۲۰۲۲ء، بروز جمعرات، رجب ۱۴۴۳ھ کی پہلی تاریخ ہوگی۔ان شاء اللہ۔

.....

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز صاحب کو صدمہ

یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز صاحب کی سمدھن اور بھائی عبدالقدیر عرف پیارے پہلوان مرحوم کی اہلیہ محترمہ کا آج مورخہ 17/فروری 2022ء کو صبح چھ بجے بعمر 70/سال آبائی وطن ناگپور میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جماعتی خبریں

مرحومہ نہایت خلیق وملنسار، متواضع، غریب پرور، مہمان نواز اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔پسماندگان میں ایک صاحب زادے عزیزم شہزاد صدیقی داماد الحاج وکیل صاحب، ایک صاحب زادی، ایک پوتا اور ایک پوتی ہیں۔ان کی تدفین آج ہی بعد نماز عصر ناگپور میں عمل میں آئی۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس کی مکین بنائے, پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔آمین۔

(غم زدہ و دعا گو:اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

☆☆☆

آخرت میں نجات کے چند اہم اسباب

مولانا آصف تنویر تیمی

اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، دنیا چند روزہ اور ختم ہوجانے والی ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے، اور قیامت کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، پس قیامت کے دن جو شخص آگ سے دور کردیا جائے گا، اور جنت میں داخل کردیا جائے گا، وہ فائز المرام ہوجائے گا، اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے''۔(آل عمران: ۱۸۵) آخرت میں انسان کو فائدہ پہنچانے والے اسباب کا اگر باریکی سے جائزہ لیا جائے تو ڈھیر سارے اسباب اور اعمال نظر آئیں گے لیکن اگر ان اعمال کا خلاصہ دیکھا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ آخرت میں انسان کو اس کا نیک عمل ہی نجات دلا سکے گا، اس لئے ایک مسلمان کو ہمہ وقت نیک اعمال کی فکر کرنی چاہئے اور ایسے تمام کاموں سے اجتناب کرنا چاہئے جو اس کی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کرنے والے ہوں۔

وہ نیک اعمال جو آخرت میں ایک مسلمان کے لئے سود مند اور جہنم کی آگ سے نجات دلائیں گے ان میں سے چند ایک کا تذکرہ آنے والے سطور میں اختصار کے ساتھ کیا جارہا ہے کہ تاکہ عقلمند ان اعمال کی فکر کریں اور اپنی زندگی میں داخل کرنے کی بھرپور کوشش بھی کریں۔

پہلا سبب: کلمہ توحید: اعمال میں سے سب سے اہم کلمہ توحید ہے۔ یہ ایسا عمل جس کے تقاضے اگر بندہ پورا کرے تو آخرت میں لاتعداد گناہوں کی معافی اس کے ذریعہ ممکن ہے۔ متعدد حدیثوں میں اس کلمہ کو جنت میں داخلے کا بنیادی سبب اور آخرت میں نجات کا اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ کلمہ آدمی کو اسی وقت فائدہ پہنچائے گا جب اس کو علم، عمل اور صدق کے ساتھ زندگی میں داخل کیا جائے۔ علم کا مطلب یہ ہے کہ اس کے معانی کو سمجھا جائے، عمل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور صدق کا مفہوم یہ ہے کہ زبان کے ساتھ دل سے بھی اسے تسلیم کیا جائے۔ علم کی قید سے آدمی نصاری کی مشابہت سے، عمل کی قید سے یہود کی مشابہت سے اور صدق وصفا کی قید سے آدمی منافقوں کی مشابہت سے باہر ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ نصاری بلا علم کے علم کرتے تھے، یہود علم کے باوجود عمل سے دور تھے اور منافقین ایمان کا جھوٹا دعوی کرتے تھے۔

کلمہ توحید کے چند شرائط بھی ہیں جن کا بروئے کار لانا ضروری ہے۔ مشہور تابعی وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے کہا گیا: کیا لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا: کیوں نہیں، لیکن کیا کوئی ایسی بھی کنجی ہے جس کے دانت نہ ہوں۔ اگر دانت والی کنجی لاؤ گے تو تالے کھلیں گے ورنہ نہیں۔ اس سے ان کا اشارہ لا الہ الا اللہ کے شرائط کی طرف تھا۔ اہل علم نے کتاب وسنت کے دلائل کے اعتبار سے کلمہ توحید کے دس شرائط ذکر کئے ہیں:

(۱) ایسا علم جو جہل کے منافی ہو۔ (۲) ایسا یقین جو شک وشبہ کے منافی ہو۔ (۳) ایسا صدق جو جھوٹ کے منافی ہو۔ (۴) ایسی محبت جو بغض اور ناپسندیدگی کے منافی ہو۔ (۵) ایسی تابعداری جو انکار کے منافی ہو۔ (۶) ایسا قبول جو ترک کے منافی ہو۔ (۷) ایسی قبولیت جو رد کے منافی ہو۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا غم صحابہ کرام پر ایسا گہرا تھا کہ بعض صحابہ اپنا آپا کھو بیٹھے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی انہیں لوگوں میں تھا۔ انہیں دنوں کی بات ہے میں ایک پرانی عمارت کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا، عمر رضی اللہ عنہ مجھے سلام کرکے گزر گئے مگر مجھے اس کا احساس تک نہ ہوا۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اس معاملے کا ذکر کیا کہ میں عثمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس سے گزرا، سلام کیا مگر انہوں نے (سلام کا) جواب نہ دیا۔ پھر ابوبکر اور عمر ابوبکر کی ریاست (دور خلافت) میں آئے اور دونوں نے اکٹھے مجھے سلام کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پورا ماجرہ سنایا کہ: تمہارے بھائی عمر (رضی اللہ عنہ) میرے پاس آئے اور کہا کہ انہوں نے آپ کو سلام کیا مگر آپ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا؟ عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: میں نے ایسا نہیں کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہا: قسم اللہ کی انہوں (عثمان رضی اللہ عنہ) نے ایسا یقیناً کیا ہے۔ اور اے بنی امیہ! یہ آپ کی خاندانی نخوت ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم مجھے ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہے کہ آپ گزرے اور سلام کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: عثمان (رضی اللہ عنہ) سچ کہہ رہے ہیں۔ دراصل ان کو اہم معاملہ (آخرت میں نجات) نے مشغول کررکھا ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی اور کہا: دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوچکی اور ہم اس اہم معاملے کے بارے میں ان سے استفسار نہ کرسکے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس معاملے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ اتنا سننا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ (خوشی کے مارے) اچھل پڑے۔ اور کہا: میرے والدین آپ پر قربان

جائیں، یقیناً آپ اس کے مستحق تھے کہ اس قسم کا سوال کرتے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس اہم معاملہ سے نجات کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''جس نے اس کلمہ کو اپنایا جس کلمہ کو میں نے اپنے چچا (ابوطالب) کے سامنے پیش کیا تھا مگر انہوں نے اس کو ٹھکرا دیا تھا تو یہی اس کے لئے نجات (کا باعث) ہے''۔ (مسند احمد: ج ا ص ۲۰۱، حدیث شواہد کی بنیاد پر صحیح ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے اہم معاملہ آخرت میں نجات کا معاملہ ہے اور اس سے نجات پانے کا آسان نسخہ کلمہ توحید کو اپنانا اور اس کے تقاضے کو دل وجان سے پورا کرنا ہے۔

دوسرا سبب: سنت کی پیروی: آخرت میں کوئی بھی شخص بلا سنت کی اتباع اور پیروی کے نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے: '' **السنة سفينة نوح من ركبها نجا ومن تركها غرق**''۔ (ذم الکلام للھروی: ۱۲۴/۴) سنت نوح (علیہ السلام) کی کشتی کی مانند ہے، جو اس پر سوار ہوا نجات پایا اور جس نے اس کو چھوڑا غرق آب ہوا۔

بدعت نجات اخروی کے اسباب میں داخل نہیں ہے۔ ایسے تمام اعمال جن پر سنت کی مہر نہیں ہوتی ہے اللہ تعالی ایسے اعمال کو قبول نہیں کرتا ہے۔ اللہ عزوجل انہیں اعمال کو قبول کرتا ہے جو سنت کے مطابق ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد**''۔ (صحیح مسلم: ۱۷۱۸) جس نے کوئی ایسا کام کیا جو شریعت کے خلاف ہو تو ایسا کام مردود ہے۔ میدان محشر میں بدعتی کو حوض کوثر سے بھی دھتکارا جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ ان (بدعتیوں) نے آپ (کی وفات) کے بعد کیا گل افشانیاں کی تھیں۔ (صحیح بخاری: ۴۶۲۵) اسی وجہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: '' **اقتصاد في السنة خير من اجتهاد في البدعة**'' سنت کی پیروی میں میانہ روی بدعت کے ارتکاب میں جدوجہد سے بہتر ہے۔ ان کے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی سنت کے مطابق عمل تھوڑا ہی کرے مگر اس پر مداومت برتے تو اس عمل سے کہیں بہتر ہے جو بہت زیادہ کیا جائے مگر اس کی بنیاد بدعت پر ہو۔ اس لئے کہ جو کام سنت کے مطابق ہوگا وہ بارگاہ الٰہی میں قبول ہوگا اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اور جو کام بدعت کے اندھیرے میں کیا جائے اگرچہ اس کی مقدار بہت ہو مگر ایسا کام اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کردے، تو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات سن لی اور اسے مان لیا، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے، اور اللہ سے ڈریں گے، اور اس کا تصور کرکے تقوی کی راہ اختیار کریں گے، تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''۔ (النور: ۵۱/۵۲)

اس آیت میں چار ایسے امور ذکر کئے گئے ہیں جن سے آخرت میں نجاب ممکن ہے: اللہ تعالی کی اطاعت، اس کی نازل کردہ شریعت کی پیروی، اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بھی ہے اس لئے کہ انہوں نے وہ ساری باتیں اللہ کی طرف سے پہنچائیں جو ان کو اللہ کی طرف سے پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا، جس کو شریعت محمدی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں۔ وہ تو وحی ہوتی جو ان پر اتاری جاتی ہے''۔ (النجم: ۳-۴) اور اللہ تعالی نے فرمایا: ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان کا پہرہ دار بنا کر نہیں رکھا ہے''۔ (النساء: ۸۰)

تیسرا سبب: ہر حال میں اللہ تعالی کا ڈر اور خوف اپنے دل میں رکھنا: اس لئے کہ جب آدمی کے دل میں اللہ کا ڈر قائم ہوجاتا ہے تو اس کے احوال وکوائف کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ اس کا میلان اطاعت وبندگی کی طرف زیادہ اور گناہوں کی جانب کم ہوتا ہے۔

چوتھا سبب: تقوی کی صفت پیدا کرنا: تقوی کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرے اور پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کے خوف سے معصیت سے اجتناب کرے۔ تقوی کے فوائد سے متعلق قرآن کریم میں ڈھیر ساری آیتیں موجود ہیں:

اللہ تعالی نے فرمایا: ''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے راستہ پیدا کردیتا ہے''۔ (الطلاق: ۲) اور فرمایا: ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈروگے تو وہ تمہیں نور بصیرت عطا کرے گا اور تمہارے گناہوں کو مٹادے گا اور تمہیں معاف کردے گا، اور اللہ عظیم فضل والا ہے''۔ (الأنفال: ۳۰) اور فرمایا: ''اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔ (البقرۃ: ۲۸۲) اور فرمایا: ''اور یہ اللہ کا حکم ہے تو وہ اس کے گناہوں کو معاف کردیتا ہے، اور اسے بڑا اجر دیتا ہے''۔ (الطلاق: ۵)

پانچواں سبب: فرائض وواجبات کا اہتمام: آخرت میں کامیابی کا اہم ترین ذریعہ فرائض اسلام اور واجبات دین کا اہتمام ہے۔ بالخصوص پنجوقتہ نمازیں جو ہر عاقل وبالغ پر شب وروز میں فرض ہیں۔ ساتھ ہی آدمی محرمات سے اجتناب کرے اور گناہوں سے دور رہے۔ معروف صحابی النعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! اگر میں پانچ وقتوں کی نماز پڑھوں، حلال کو حلال سمجھوں اور حرام کو حرام قرار دوں تو کیا میں جنت میں داخل

ہووں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں''۔ (صحیح مسلم: ۱۶) صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ النعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس پر ذرہ برابر اضافہ نہیں کروں گا (یعنی جتنا آپ نے کہا ہے اتنے کی بجا آوری کروں گا)۔ اس عظیم ترین حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص واجبات کی بجا آوری کرتا اور کبائر سے اجتناب کرتا ہے تو ایسا شخص آخرت میں اللہ تعالی کے عقاب سے نجات پائے گا۔

چھٹا سبب: فکر آخرت: آخرت میں نجات کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی ہمہ وقت اپنے دل میں اس بات کو محسوس کرے کہ اسے ایک دن اللہ تعالی کے سامنے حاضر ہونا اور اپنا حساب وکتاب چکانا ہے۔ اللہ تعالی اس سے اس کی زندگی بالخصوص اس کی جوانی کے بارے میں دریافت کرے گا تاکہ اس کی اچھائی کا اسے اچھا اور اس کی برائی کا اسے برابدلہ دے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اللہ کا ہے تاکہ وہ برا عمل کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے، اور اچھا عمل کرنے والوں کو اچھا بدلہ (یعنی جنت) دے''۔ (النجم: ۳۱) فکر آخرت کا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کی زندگی میں اصلاح وسدھار پیدا ہوتی ہے۔ گناہوں سے سدا بچتا اور بھلائی سے اپنا رشتہ استوار رکھتا ہے۔ اور گناہوں سے اجتناب یقیناً نجات کا باعث ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (بڑھ کر) کہے گا، یہ لو، میرا نامہ اعمال پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنا حساب ضرور پاؤں گا۔ وہ ایک خوشگوار زندگی میں ہوگا۔ بلند جنت میں ہوگا۔ اس کے پھل بالکل قریب ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) تم لوگ آج مزے میں کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں کئے تھے''۔ (الحاقۃ: ۱۹-۲۴)

ساتواں سبب: آدمی اپنے نیک عمل کے دھوکے میں نہ رہے: بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو نیک اعمال خوب کرتے ہیں۔ ان کی زندگی میں صوم وصلاۃ کی پابندی پائی جاتی ہے۔ مگر وہ اپنے اعمال صالحہ پر غرور اتراہٹ کے شکار ہوتے ہیں۔ انہیں اس بات کا دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کی بدولت قیامت کے دن کامیابی کی سیڑھی طے کرلیں گے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی صراحت کی کہ کوئی قیامت میں اپنے اعمال کی بدولت نجات نہیں پاسکے گا۔

نیک اعمال کے تئیں ایک مسلمان کا شیوہ ہمیشہ ''خوف ورجاء'' اس بات کا خوف ہو کہ معلوم نہیں اللہ تعالی میرے عمل کو قبول کرے گا یا نہیں ساتھ ہی وہ اپنے اعمال پر اللہ تعالی کے اجر وثواب کی امید بھی رکھے۔ اللہ تعالی نے ایسے مومنوں کا نقشہ قرآن کریم میں اس طرح کھینچا ہے: ''اور جو اللہ کے لئے جو کچھ دیتے ہیں، اسے دیتے ہوئے، ان کے دل خائف ہوتے ہیں کہ بے شک انہیں اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے''۔ (المؤمنون: ۶۰) اللہ تعالی ہم سب کو اعمال صالحہ کی توفیق بخشے اور نجات اخروی عطا کرے۔ (آمین) ☆☆

(بقیہ صفحہ ۲۰ کا)

کلفتوں سے دور رکھا اب ذرا دیکھئے کہ سماج ومعاشرے میں اگر ایک عورت ماں ہے تو اسلام نے سب سے زیادہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی ہے اور ایسی عورت کے پاؤں تلے جنت قرار دیا ہے، اور اگر ایک عورت بیٹی ہے تو اسلام نے اسے باعث رحمت اور جنت میں جانے کا سبب وذریعہ قرار دیا ہے، اور اگر ایک عورت بہن ہے تو اسلام نے اس کی اچھی تعلیم وتربیت پر جنت میں جانے کی بشارت سنائی ہے اور اگر ایک عورت بیوی ہے تو اسلام نے اسے باعث سکون، آرام وراحت ملنے والی چیز قرار دیتے ہوئے سب سے قیمتی سرمایہ قرار دیا ہے، اتنی پاک اور صاف وشفاف دین کو جو لوگ بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کررہے ہیں اور اس پاکیزہ دین کے خلاف اول فول بک رہے ہیں انہیں اپنی پرانی تاریخ یاد کرنی چاہیے

برادران اسلام!! ہم سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے اور ہمارے ملک کا ایک ایسا بہترین آئین ودستور ہے جس کے اندر ہندوستان کے تمام باشندوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے تو جب آج کل ہمارے اسلامی قانون کے خلاف آوازیں اٹھائی جارہی ہے تو ہم سب کو اس بات کی جانکاری ہونی چاہیے کہ ہمارا دستور اور ہمارا آئین کیا کہتا ہے تو دیکھئے ہمارے آئین ودستور دفعہ نمبر 16 میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ

(1) بھارت کا ہر شہری بلا امتیاز سرکاری دفتروں میں ملازمت کا مساوی حق رکھتا ہے، سرکاری نوکری میں نسل، مذہب، ذات اور زبان کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کرنے کی بات کہی گئی ہے۔

(2) ہمارے آئین کے دفعہ نمبر 25 میں یہ بات صاف لفظوں میں لکھی ہوئی ہے کہ بھارت میں ہر شخص کو مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہے، بھارت کا ہر فرد اپنے اپنے مذہب کے مطابق چلنے کا حق رکھتا ہے۔

(3) ہمارے دستور کے دفعہ نمبر 29 میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ ہندوستان کے کسی شہری کے ساتھ نسل، مذہب، ذات اور زبان کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی ہے۔

آخر میں رب العالمین سے دعا ہے کہ اے اللہ تو ہم مسلمانوں کی جان ومال اور عزتوں کی حفاظت فرما'' اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ '' آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

اسلام اور ہندو دھرم میں پردہ اور ہمارا آئین

مولانا ابومعاویہ شارب بن شاکر السّلفی

الحمدلله الذی خلق السمٰوات والارض والصلاة والسلام علی رسوله الکریم اما بعد:

محترم قارئین!! ہم اور آپ اس بات سے اچھی طرح سے واقف ہیں کہ اس کائنات کا خالق رب العالمین ہے، اسی اللہ نے اس کائنات میں اپنی علم وحکمت سے تمام مخلوق کے لئے وافر مقدار میں ضرورت کی تمام اشیاء رکھ دی ہیں، وہ اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے وہ جانتا ہے کہ اس روئے زمین پر بسنے والی مخلوقوں کے لئے کون سی چیز مفید ہے اور کون سی چیز مضر، اس کا ہر حکم وفیصلہ بنی نوع انسانیت کے لئے مفید سے مفید تر ہوتا ہے، اس کے کسی بھی فیصلے کے اندر کوئی نقص وعیب نہیں ہوسکتی ہے، جیسا کہ خود رب العالمین نے اپنے کلام پاک کے اندر اس بات کی جانکاری دیتے ہوئے کہا کہ: " إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ " بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے پر پیدا کیا ہے۔ (القمر: 49) الغرض اس کا ہر قانون اور ہر حکم فطرت کے عین موافق ہے اور اسی کے بنائے قانون کے مطابق زندگی گذارنے میں ہی انسانیت کی سلامتی اور بقا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس رب العالمین نے نبیوں اور رسولوں کا بدل اپنا فرمان قرآن مجید کی شکل میں بنی نوع آدم کو تا قیامت تک کے لیے دے دیا ہے، اس کا ہر فرمان اور ہر حکم ہر زمانے پر محیط ہے، لاکھ زمانہ بدلے، سائنس وٹکنالوجی ترقی کرجائے مگر اس کے فرمان میں کوئی کمی وبیشی نہیں ہوسکتی ہے، اس رب العالمین نے بنی نوع آدم کی بھلائی کیلئے جو کتاب اتاری اس کتاب کے اندر مرد وعورت کو پاکیزہ زندگی گذارنے کے لیے، سماج ومعاشرے سے بے حیائی کا خاتمہ کرنے کے لیے، ہر طرح کی بدکاری سے بچانے کے لیے اور ہر بدکاری سے جنم لینے والی بیماریوں سے بچانے کے لیے، قلق واضطراب سے بچا کر چین وسکون کی زندگی گذارنے کے لیے یہ حکم دیا کہ مرد اپنی نگاہوں کی حفاظت کرے، پرائی عورتوں کو نہ گھورے اور عورتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے حسن کی نمائش نہ کرے، بغیر پردے کے ہر ایک کے سامنے میں آیا اور جایا نہ کریں، ہر ایک سے لچک دار آواز سے باتیں نہ کیا کرے، شمع محفل نہ بنے بلکہ عزت وشان کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں ملکہ بن کر زندگی گذاریں۔

جب اسلام کا ایسا پاکیزہ حکم دنیا کے سامنے آیا اور ظاہر ہوا تو وہ لوگ جو نفس پرست ہیں اور نفسانی خواہشات کے غلام بنے ہوئے ہیں آگ بگولہ ہوگئے اور سیخ پا ہوکر اسلام کے قانون پر ہی اعتراض کرنے لگے کیونکہ انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ اگر اسلام کے احکام کو لوگوں نے اپنانا شروع کردیا تو پھر ان کی خواہشیں پوری نہ ہوسکیں گی، یہی وجہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اسلام کے قوانین کے اوپر انگلی اٹھاتے رہتے ہیں آیئے سب سے پہلے مختصر طور پر ہم یہ جانتے ہیں کہ پردہ کرنا کن کا شعار ہے اور پردہ کرنے کے کیا کیا فائدے ہیں۔

(1) پردہ کرنا با ایمان ہونے کی علامت ہے: پردے کے بارے میں سب سے پہلے آپ یہ جان لیں کہ پردہ کرنا یہ مومن عورتوں کا شعار ہے اور پردہ کرنا یہ ایک عورت کے باایمان ہونے کی دلیل ہے کیونکہ رب العزت نے جہاں پر پردے کے احکام بیان کیے ہیں وہاں پر خطاب مومن عورتوں سے کیا گیا ہے مثلا سورہ النور آیت نمبر 30 کے اندر رب العزت نے فرمایا کہ " وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ " اے نبی ﷺ آپ مومن عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھے، اسی طرح سے سورہ احزاب آیت نمبر 59 کے اندر بھی رب العزت نے مومن عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا کہ اے نبی ﷺ آپ مومنہ عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ پردہ کیا کریں، ان دونوں آیتوں کے انداز تخاطب سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پردہ کرنا یا پھر کرانا باایمان ہونے کی دلیل ہے اسی لیے ایمان والیوں سے خطاب کیا گیا ہے عام عورتوں سے نہیں، اسی بات کی وضاحت اماں عائشہؓ کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے کہ ان کے پاس ایک مرتبہ بنوتمیم کی کچھ عورتیں باریک لباس پہن کر آئیں تو اماں عائشہؓ نے ان سب عورتوں سے کہا کہ " إِنْ كُنْتُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَيْسَ هَذَا بِلِبَاسِ الْمُؤْمِنَاتِ " اگر تم مومن عورتیں ہو تو پھر یہ مومن عورتوں کا لباس نہیں ہے ہاں اگر " وَإِنْ كُنْتُنَّ غَيْرَ مؤمنات فتمتعن به " تم مومن عورتیں نہیں ہو تو پھر ایسا لباس پہنو۔ (تفسیر قرطبی: 14 / 244) ان تمام باتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پردہ کرنا مؤمنہ عورتوں کا کام ہے۔

(2) پردہ دلوں کی پاکیزگی کا سبب ہے: 5ھ کی بات ہے کہ سیدنا عمر بن خطابؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ " يَدْخُلُ عَلَيْكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ " آپ کے پاس ہر طرح کے لوگ آتے ہیں جس میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے لوگ بھی ہوتے ہیں اسی لیے " فَلَوْ أَمَرْتَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحِجَابِ " آپ ام المؤمنین والمؤمنات سے پردہ کرنے اور حجاب لگانے کا حکم دے دیں۔ (بخاری: 4790) ادھر سیدنا عمرؓ نے ایسا مشورہ دیا اور ادھر جبرئیل امین وحی لے کر حاضر ہوگئے کہ: " وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ " اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو اور ایسا کرنا ہی تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی کا سبب ہے۔ (الاحزاب: 53) رب کے فرمان

پرذرا غور کریں کہ الہ العالمین جو اپنے بندوں کے دلوں کے احوال وکیفیت سے بخوبی واقف ہے پردے کا فائدہ ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ پردہ مرد وعورت دونوں کے دلوں کے لئے پاکیزگی کا سبب ہے، رب العالمین نے اپنے اس فرمان کے ذریعے ان نام نہاد مسلمانوں، بدباطن اور ہوس پرستوں کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا ہے جن کا یہ کہنا اور ماننا ہے کہ لباس کا پردہ تھوڑی ہے اصل پردہ تو دل کا پردہ ہوتا ہے، ہم کسی بھی بے پردہ عورت کو دیکھ کر ایسا ویسا کچھ نہیں سمجھتے، بہت سارے مسلم گھرانے کے والدین اور ذمہ داران بھی ایسا کہتے نظر آتے ہیں کہ ہماری بچی برقعہ نہیں پہن رہی ہے تو کیا ہوا ہماری بچی کا دل صاف ہے، ہم کو ہماری بچی پر بھروسہ ہے، سچ فرمایا ہے میرے رب نے اور رب کا فرمان کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا ہے، جھوٹے تو وہ لوگ ہیں جو اس طرح کے حیلوں اور بہانوں سے عورتوں کو بے پردہ کرکے عورتوں کے جسم وحسن سے فائدہ اٹھا کر اپنی لذت اور ہوس پرستی کی آگ کو بجھانا چاہتے ہیں اور ساتھ میں اپنی دوکان وتجارت کو چمکانا بھی چاہتے ہیں۔

برادران اسلام! مذکورہ بالا آیت کے ترجمے کو ایک بار آپ بغور پڑھیں اور دیکھیں کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے پردے کا حکم کن لوگوں کو دیا تھا اور اس آیت کے مخاطب سب سے پہلے کون لوگ تھے، ظاہر سی بات ہے کہ اس آیت کے سب سے پہلے مخاطبین ومخاطبات صحابہ وصحابیات تھے اور یہ ایسے لوگ تھے جن کے اخلاق وکردار، قلب وبصر، اذہان واجسام کی پاکیزگی کی گواہی خود رب العزت نے دی ہے تو جب ایسے مقدس لوگوں کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ پردے کا اہتمام کریں تو پھر آج کل کے دور میں جہاں ہر طرف بے حیائی وعریانیت اور جنسی انارکی ہے اور دلوں میں فتور رکھنے والے لوگ موجود ہیں تو پھر ایک عورت کو پردے کی کتنی سخت حاجت وضرورت ہے سوچ لیں!!

(3) **پردہ حفاظت کرتا ہے**: پردہ ایک ایسی چیز ہے جو ایک عورت کو اوباشوں وبدمعاشوں، سے بچاتی بھی ہے اور یہ باور کراتی ہے کہ یہ باپردہ خاتون اسلامی تعلیمات کی پابند اور باحیا خاتون ہے گویا کہ پردہ ایک عورت کی عفت وعصمت بچانے کی علامت اور شعار ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ”يَـاأَيُّهَـا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَـاتِكَ وَنِسَـاءِ الْـمُؤْمِـنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا“ اے نبی ﷺ آپ اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ وہ بہت جلد پہچان لی جائیں گی اور پھر انہیں ستایا نہ جائے گا۔(الاحزاب:59)

برادران وخواتین اسلام! مختصر طور پر پردے کے فوائد کو جاننے کے بعد آیئے اس بات کو جانتے ہیں کہ کیا عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم صرف اسلام ہی دیتا ہے؟ جی نہیں ایسی بات نہیں ہے بلکہ دنیا کے جتنے بھی مذاہب ہیں وہ سب کے سب اپنی اپنی تعلیمات اور اپنے اپنے گرنتھ میں عورتوں کو مردوں سے چھپنے اور پردہ کرنے کا حکم دیتے ہیں مثال کے طور پر یہودی وعیسائی مذہب میں بھی پردہ کرنے کا حکم موجود ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ عیسائی مذہب کی جونن وراہبہ ہوتی ہیں وہ سب راہبات سوائے چہرہ کے پورے جسم کو چھپانے والا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتی ہیں، اور تو اور ہے خود ہندو مذہب میں بھی پردہ کرنے کا رواج پہلے سے ہی موجود رہا ہے، آپ سب نے یہ مشاہدہ ضرور کیا ہوگا کہ آج بھی ہندوستان کے کئی علاقوں میں ہندو عورتیں اپنا چہرہ گھونگھٹ میں چھپا کر رکھتی ہیں اور گھونگھٹ میں ہی وہ سب بازار بھی جاتی ہیں اور کھیت وکھلیان میں کام بھی کرتی ہیں اور وہ ہندو عورتیں اپنے خاندان کے بڑوں جیسے کہ جیٹھ اور سسر وغیرہ سے گھونگھٹ لٹکا کر کے ہی ہمکلام ہوتی ہیں، تقریبا ہندو مذہب کی تمام کتابوں اور ویدوں کے اندر یہ بات مذکور ہے کہ (1) جب شری رام جی کے بھائی لچھمن کو یہ کہا گیا کہ وہ اپنی بھابھی سیتا جی کا چہرہ دیکھ کر ان کو پہچانیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے تو کبھی بھی اپنی بھابھی کو نہیں دیکھا کیونکہ میں نے کبھی اپنی بھاوج کے قدموں سے اوپر نگاہ نہیں اٹھائی چنانچہ انہوں نے سیتا جی کو پازیب کو دیکھ کر پہچانا، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سیتا جی اپنے دیور سے پردہ کیا کرتی تھیں۔

(2) رگ وید کتاب نمبر 8 منتر نمبر 19 میں خواتین کے بارے میں یہ بات لکھی ہوئی کہ ”ایشور نے تمہیں عورت بنایا ہے اسی لیے تم اپنی آنکھیں جھکی رکھو، پُرشو (مرد) کی طرف مت دیکھو، اپنے پیر ایک دوسرے سے سٹا کر رکھو اور اپنے وستر (کپڑا) کومت کھولو اور خود کو گھونگھٹ میں چھپائے رکھو۔

(3) مہاویراچرِ ترا ایکٹ نمبر دو اور صفحہ نمبر 71 میں یہ بات لکھی ہوئی کہ جب رام جی نے پرشورام کو آتے دیکھا تو سیتا جی سے کہا کہ اے سیتا تم اپنے آپ کو گھونگھٹ میں چھپالو اور اپنی آنکھیں جھکالو۔

(4) مہابھارت، وشوپرب ادھیائے نمبر 19 میں بھی عورتوں کے تعلق سے پردے کا ذکر ملتا ہے کہ شری کرشن کے ماموں کنس متھرا کے راجہ نے جب کشتی کا دنگل قائم کیا تو عورتوں کے دیکھنے کے لیے بلندی پر ایک خاص مکانات بنوائے جس پر ایک باریک جالی لگائی گئی تھی نیز وہ مکانات اتنی بلندی پر تھے کہ راجہ ہنس اڑتے ہوئے نظر آتے تھے۔

(5) ہرش چریتم میں لکھا ہے کہ جب سے شریف عورتوں کے چہروں پر نقاب نہ رہی تو ان کی شرم وحیا جاتی رہی۔ (ہرش اچھورس۔2)

محترم قارئین! آج اسلام کے قانونِ حجاب پر پابندی لگائی جانے کی بات کی جارہی ہے جب کہ اسلام نے خواتین کو جو عزت وشرف عطا کی ہے اس کا عشر عشیر مثال بھی دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی ہے اور نہ کبھی ملے گی، تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ دین ہے جس نے عورتوں کو تمام حقوق عطا کرکے اسے ہر طرح کی ذہنی الجھنوں اور

(بقیہ صفحہ ۱۸ پر)

شادی بیاہ کے احکام ومسائل

ابوعدنان سعید الرحمٰن بن نور العین سنابلی
المرکز الاسلامی الثقافی الہندی للترجمۃ والتالیف، نئی دہلی

شادی ایک دینی وتمدنی اور سماجی تقریب ہے جو ابتدائے آفرینش سے ہی دنیا کے ہر مذہب، ہر خطہ اور ہر قوم میں جاری وساری ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق زندگی کی بقاوتحفظ اور تسلسل کے اس مخصوص فطری عمل سے ہے جسے چھوڑ دینے سے نسل انسانی ہی منقطع ہوکررہ جائے گی۔اس کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر ہر قوم اور ہر مذہب نے اپنے اپنے معاشرتی وتہذیبی اور مذہبی پس منظر میں اس کے لئے طریقے وضع کررکھے ہیں۔یہ طریقے بہت سی رسومات کا مجموعہ ہیں۔ان رسومات کے بعض پہلو شادی کرنے والوں اور ان کے متعلقین کے لیے مالی اور جسمانی تکلف اور تکلیف کا باعث ہیں۔

دین اسلام نے بھی شادی کو ایک اہم بلکہ اکثر اوقات ناگزیر معاشرتی ضرورت قرار دیا ہے۔اسلام میں نکاح کا طریقہ نہایت آسان ہونے کے باوجود ہمارے معاشرے میں اسے ایک مشکل ترین مرحلہ بنادیا گیا ہے۔رشتہ طے ہونے سے لے کر مابعد شادی تک قدم قدم پر بہت سی ایسی رسومات ادا کی جاتی ہیں جن کا شریعت اسلامیہ سے دور تک کا واسطہ نہیں ہے اور ان میں جو مال اور وقت برباد ہوتا ہے وہ الگ۔ان رسومات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے اکثر ہندوانہ ہیں اور کچھ لوازمات مغربی معاشرے کے بھی شامل کرلیے گیے ہیں۔

شادی سنتِ انبیاء ہے۔شادی افزائش نسل کا ذریعہ ہے۔شادی حفاظت نسل کا سبب ہے۔شادی پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل کے لئے ضروری ہے۔شادی برائیوں سے بچنے اور نگاہوں کو نیچی رکھنے کا سبب ہے۔شادی بے پناہ فوائد کا مرقع ہے۔شادی انسانی فطرت کے آہنگ ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد وخواتین میں سے ہر ایک کے دل میں ایک دوسرے کے تئیں چاہت ومحبت ودیعت کررکھی ہے اور اسی چاہت و محبت کی تکمیل کا جائز طریقہ نکاح کو بنایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:"وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ"(سورۃ الروم/21)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی، یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔''

ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر رہتی دنیا تک یہی طریقہ رائج رہا ہے، کیونکہ میاں اور بیوی گاڑی کے دو پہیوں کی طرح سے ہیں جن کے سہارے زندگی کی گاڑی چلتی اور آگے بڑھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے نکاح، شادی اور ازدواجی زندگی گزارنے پر ابھارا ہے اور قرآن پاک میں" فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ "(سورۃ النساء/3)''تو اور عورتوں سے جو تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو دو دو تین تین چار چار'' کہہ کر شادی کی ترغیب دی گئی ہے اور خاتم النبین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے''النِّكَاحُ من سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيسَ مِنِّي ''(نکاح میری سنت اور میرا طریقہ ہے تو جو میری سنت پہ عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔) کہہ کر شادی کو ضروری قرار دیا ہے۔

نکاح عفت وپاک دامنی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے تاکید کی کہ نکاح میں جلدی کرو۔چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے:''يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَائَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ؛ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ''یعنی اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جس کے پاس نان ونفقہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ شادی کرلے کیونکہ یہ نگاہوں کی پستی اور شرم گاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جس کے پاس نان ونفقہ نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ اس کے لئے ڈھال ہے۔(صحیح بخاری/5065)

اس حدیث کو پڑھیں تو دیکھیں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی صاف لفظوں میں نوجوانوں کو تعلیم دی ہے کہ جب وہ نان ونفقہ ادا کرنے کے اہل ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ نکاح کرنے میں جلدی کریں اور بلاوجہ تجرد کی زندگی گزارنے سے پرہیز کریں۔اس لئے کہ کنوارا پن اور بلوغت کے بعد عزوبت وتجرد کی زندگی شیطان کے نشانے پر ہوتی ہے، اس عمر میں شیطان نوجوانوں کو اپنے دام ہمرنگ میں پھنسا کر برائیوں میں مبتلا کردیتا ہے اور فحش کاری وبدکاری کو بہت ہی خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے۔لہذا ہر نوجوان کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ شادی میں جلدی کریں اور نان ونفقہ ادا کرنے کی سکت ہونے پر شادی میں ہرگز تاخیر نہ کرے۔

اگر آپ کے پاس اس قدر مال ہے کہ آپ اپنی رفیقۂ حیات کو کھلا سکتے ہیں، اس کے لئے رہائش کا انتظام کرسکتے ہیں تو پھر آپ شادی کرنے میں جلدی کریں اور اس بات کی ادنیٰ پرواہ نہ کریں کہ شادی باعث فقر وفاقہ ہے، یا شادی کی وجہ سے گھر میں افراد بڑھیں گے تو غریبی بڑھے گی جیسا کہ موجودہ معاشرہ میں اکثر لوگوں کی سوچ ہے۔حالانکہ یہ ایک غلط سوچ ہے اور یہ ان لوگوں کی سوچ ہے جو اللہ تعالیٰ کے

فرمودات پر ایمان و ایقان نہیں رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان کیا ہے کہ نکاح باعثِ آسودہ حالی اور ذریعہ تونگری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ'' (سورۃ النور / 32) یعنی تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی۔ اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''ثلاثةٌ حقٌّ على اللهِ عونهم: المجاهدُ في سبيلِ اللهِ، والمُكاتَبُ الذي يريدُ الأداءَ، والناكحُ الذي يُريدُ العفافَ'' یعنی تین طرح کے لوگ ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم وضروری کر لیا ہے: ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، دوسرا وہ مکاتب جو مقررہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر لینے کے لئے کوشاں ہو اور تیسرا وہ نکاح کرنے والا جو شادی کر کے عفت و پاک دامنی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہو۔ (سنن ترمذی / 1655، شیخ البانیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں جب شادی کو باعثِ مالداری و تونگری قرار دیا گیا ہے تو پھر ہم شادی کو فقیری اور غربت کی کیوں وجہ بتائیں۔ ذہن و دماغ میں ایسا خیال بھی لانا گناہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پوری دنیا کا روزی رساں ہے اور اس نے نکاح کو باعث مالداری اور تونگری بتایا ہے۔ لہذا ذہن و دماغ سے یہ خیال نکال دینا چاہئے اور جب نان ونفقہ اور سکنیٰ کا انتظام ہو تو شادی کرنے میں جلدی کرنی چاہئے کیونکہ اس سے انسان جہاں برائیوں اور بے حیائیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، وہیں جس سے شادی کرتا ہے اس کو بھی برائیوں سے محفوظ کر دیتا ہے۔

کچھ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ازدواجی زندگی عبادات کے لئے مخل ہے۔ یعنی اگر انسان شادی کر لیتا ہے تو امورِ خانہ داری میں لگ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ عبادات کو کماحقہ ادا نہیں کر پاتا، یا اگر کرتا بھی ہے تو اس قدر نہیں کر پاتا ہے جتنا کہ غیر ازدواجی زندگی میں کیا کرتا تھا۔ یہ سوچ سراسر اسلامی تعلیمات اور نبوی ہدایات کے خلاف ہے، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دنیا میں بڑا عبادت گزار کون ہو سکتا ہے، پھر بھی آپ نے گیارہ شادیاں کیں (سیرت کی کتابوں میں یہ حکمت بتائی گئی ہے کہ آپؐ نے ایک سے زائد شادیاں کیوں کی) اور یہ شادیاں کہیں سے بھی آپ کی عبادتوں میں مخل نہیں ہوئیں بلکہ احادیث میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ تہجد پڑھا کرتے تھے اور انہیں عبادتوں پر آمادہ کیا کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس سلسلہ کا ایک مشہور واقعہ نقل کیا ہے جسے خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ: ''جَاءَ ثَلاَثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا، فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلاَ أُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلاَ أَتَزَوَّجُ أَبَدًا، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: ((أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي'' یعنی تین حضرات (علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھر آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے، جب انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کر لوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔ (رات میں) نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ (صحیح بخاری / 5063)

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فکر و خیال کی بیخ کنی کی ہے جس کے رو سے شادی کو عبادات میں مخل تصور کیا جاتا ہے اور بتایا کہ میری حالت دیکھو، اس کائنات میں بھلا مجھ سے بڑا کوئی متقی اور پرہیزگار ہو سکتا ہے۔ پھر بھی میری ازدواجی زندگی کے بارے میں تمہیں معلوم ہے کہ میں نے ایک سے زیادہ شادیاں کی ہیں اور یہ شادیاں میرے لئے باعث خیر و برکت ہیں۔

یہاں ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے کہ انسان جب رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جاتا ہے اور شادی کے بعد حلال ڈھنگ سے اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل کرتا ہے تو اس میں اسے اجر و ثواب ملتا ہے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''يا رسول الله، ذهب أهل الدُّثُور بالأجور: يُصلون كما نُصلّي ويَصُومون كما نصومُ، ويَتصدقون بفُضُول أموالِهم'' یعنی اے اللہ کے رسول! دولت مند لوگ کہیں (زیادہ) اجر لے گئے، وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں، وہ روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں، (اس پر مزید) وہ اپنے فاضل مالوں میں سے صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' أوليس قد جعل الله لكم ما تَصَّدَّقُون: إن بكل تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةً،

وكل تكبيرةٍ صَدَقَةٌ، وكل تَحمِيدةٍ صَدَقَةٌ، وكلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ، وأمرٌ بمعروفٍ صَدَقَةٌ، ونَهْيٌ عن مُنكرٍ صَدَقَةٌ، وفي بُضْعِ أحدكم صدقة. قالوا: يا رسول الله، أيأتي أحدنا شهوتَه ويكونُ له فيها أجر؟ قال أرأيتم لو وضعها في حرام أكان عليه وِزْرٌ؟ فكذلك إذا وضعها في الحلال كان له أجرٌ'' یعنی کیا اللہ نے تمہارے لیے ایسی چیزیں نہیں بنائیں کہ تم ان کا صدقہ کرو؟ بے شک ہر سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، ہر الحمد للہ کہنا صدقہ ہے اور ہر لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے منع کرنا صدقہ (نیکی) ہے، اور تم میں سے کسی کا اپنی بیوی سے صحبت کرنا صدقہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ایک شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے، کیا اس میں بھی اسے اجر ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: بھلا بتلاؤ! اگر وہ اسے حرام جگہ سے پوری کرے تو اسے گناہ ہوگا؟ اسی طرح جب وہ اسے حلال طریقے سے پوری کرے گا تو اسے اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم/1006)

نکاح کے فوائد: اللہ تعالی نے نکاح میں انسان کے لیے بہت سے دینی ودنیاوی فائدے رکھے ہیں، مثلاً معاشرتی فائدے، خاندانی فائدے، اخلاقی فائدے، سماجی فائدے، نفسیاتی فائدے۔ الغرض نکاح بے شمار فوائد ومقاصد پر مشتمل ہے۔

انسان کو نکاح کے ذریعہ صرف جنسی سکون ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ قلبی سکون اور ذہنی اطمینان غرض کہ ہر طرح کا سکون میسر ہوتا ہے۔ شوہر اور بیوی کے مابین الفت ومحبت کا رشتہ ہے اور ایک بیوی اپنے شوہر کے لئے راحت وآرام اور سکون و اطمینان کا ذریعہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے '' هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ''(سورة الأعراف/189) یعنی وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے''۔

اس آیت سے عورت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ عورت مرد کے حق میں ایک انمول تحفہ ہے اور مرد کے لئے باعث سکون واطمینان ہے لہٰذا جو مرد عورت کی قدر کرتا ہے وہ کامیاب اور پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ اگر انسان نکاح سے جو انسان کی فطری ضرورت ہے، منہ موڑنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

چنانچہ ہم مختصر الفاظ میں نکاح کے فوائد کو ذکر کرنا چاہیں تو درج ذیل نکات میں اس کے فوائد کو ذکر کر سکتے ہیں:

(۱) شادی ایک ہمہ گیر ذمہ داری، ایک حتمی ضرورت، ایک پدرانہ سرپرستی اور ایک مادرانہ شفقت ہے۔ (۲) شادی کسبِ معاش کے لیے جدوجہد اور بیروزگاری اور بے عملی کو ترک کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ (۳) شادی سے کنارہ کشی بسا اوقات انسان کو لطف وکرم اور رحم و ہمدردی سے یکسر محروم بنا دیتی ہے۔ (۴) نوجوانوں کو شادی کے ذریعے مامون ومحفوظ بنانا دراصل پوری امتِ مسلمہ عفت وطہارت اور عظمت وشرافت کی ضمانت ہے۔

نکاح کا شرعی حکم: نکاح انبیاء اور رسل علیہم السلام کی انتہائی تاکیدی سنتوں میں سے ایک ہے، ارشاد ربانی ہے:''وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً''(سورة الرعد/ 38)''ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان سب کو بیوی اور بچوں والا بنایا تھا''

بغیر کسی عذر کے نکاح کرنے سے گریز کرنا مکروہ وناپسندیدہ عمل ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن میں سے ایک نے شادی نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، فرمایا:''اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، اَمَا وَاللهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ'' یعنی کیا تم ہی لوگوں نے ایسا اور ایسا کہا ہے؟ خبردار! قسم اللہ کی میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزگاری اختیار کرنے والا ہوں، اس کے باوجود میں روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں رات کو نوافل ادا کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں تو جس شخص نے میرے طریقے سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں''(بخاری/3605، مسلم/1041)

جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو اور اسے برائی میں پڑنے کا خطرہ محسوس ہو رہا ہو اس کے لئے نکاح کرنا فرض اور واجب ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''اس لئے کہ زنا حرام ہے، اسی طرح وہ ساری چیزیں جو زنا کا سبب وہ بھی حرام ہوں گی، تو جو شخص اپنے بارے میں زنا میں پڑنے کا خطرہ محسوس کرے اس پر لازم ہے کہ وہ خود کو اس خطرہ سے بچائے، اس کا دور کرنا اگر نکاح ہی سے ممکن ہو تو پھر نکاح کرنا اس کیلئے واجب ہوگا''(السیل الجرار للشوکانی ۳/۳۴۲)

شادی اس شخص کے حق میں حرام ہے جو ازدواجی حقوق کی ادائیگی سے قاصر ہو، مالی طور پر یا جسمانی طور پر۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ اپنے جیون ساتھی کے حقوق کو ادا نہیں کر پائے گا اور اس کی وجہ سے معاشرہ میں فتنہ جنم لے گا۔ جبکہ شریعت اسلامیہ نے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور ان تمام ذرائع سے روکا ہے جو باہمی حقوق کی پامالی کا سبب بنیں۔

نکاح اس شخص کے لئے مستحب ہے جو شادی کے بغیر ہی عفت و پاکدامنی کو برت سکتا ہے اور برائیوں سے دور رہ سکتا ہے۔ نیز اگر کوئی شادی اپنی یا اپنی بیوی کی عفت و پاک دامنی کے لئے کر رہا ہو یا شادی کے پس پردہ اس کا مقصد افرادامت کی افزائش اور نبوی طریقہ کی پیروی ہو تو ایسے انسان کے حق میں بھی شادی مستحب ہوگی۔

سابقہ سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شادی جہاں بے شمار فضائل وفوائد پر مشتمل عمل ہے، وہی یہ بہت ساری بیماریوں کا تریاق اور علاج بھی ہے۔ لہٰذا والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو سن بلوغ کے پہنچنے کے بعد شادی کرانے کا جتن کریں اور بلاوجہ تاخیر نہ کریں۔ اس لئے کہ شادی میں تاخیر بے شمار برائیوں کا پیش خیمہ اور شاخسانہ ہے اور شادی میں تاخیر کی وجہ سے ہمارے بچے اگر برائیوں کے دلدل میں پھنستے ہیں تو ظاہر سی بات ہے کہ ہم سے ہی اس بارے میں پرسش ہوگی۔

سرسید احمد خان اور وہابیت

ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی
میڈیا کوآرڈینٹر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

سرسید احمد خاں کی فکری نشو ونما میں تحریک شہیدین کے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''آثار الصنادید'' کے پہلے ایڈیشن میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کا تذکرہ نہایت پرجوش انداز میں کیا تھا۔ لیکن بعد کے ایڈیشن میں مصلحت کا شکار ہوکر اس تذکرے کو نکال دیا۔ تاہم غلط رسم ورواج سے دوری، تقلید بیزاری، بدعت کی حوصلہ شکنی، خالص کتاب وسنت کی دعوت آخری عمر تک ان کے اندر کارفرما رہی۔ وہ مخالف ماحول میں بھی خود کو وہابی باور کرانے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے خطبات احمدیہ کی تصنیف میں تقویۃ الایمان کا اسلوب اختیار کیا۔ وہ شاہ محمد اسماعیل شہید کا تذکرہ اپنی دیگر تحریروں کی طرح مکاتیب میں بھی اچھے الفاظ کے ساتھ کرتے تھے۔(۱)

انہوں نے وہابی کی تین قسمیں کر رکھی تھیں۔ وہابی، وہابی اور کریلہ اور وہابی کریلہ اور نیم چڑھا اور خود کو تیسری قسم میں شمار کرتے تھے۔ مولانا ابو محمد ابراہیم آرویؒ جو کہ اہل حدیثوں کے مشاہیر واکابر علمائے دین میں سے تھے اور اپنے قائم کردہ دینی وعصری ادارہ مدرسہ احمدیہ، آرا، بہار میں مختلف دینی وعصری موضوعات پر سالانہ ''مذاکرہ علمیہ'' کا انعقاد بڑے تزک واحتشام سے کرتے تھے، جس میں ملک کے اکابر علماء ودانشوران کی شرکت ہوتی تھی، انہوں نے ایک اجلاس میں سرسید کو بھی مدعو کیا اور اس مناسبت سے سرسید احمد اور مولانا آروی کے مابین مراسلت کا سلسلہ شروع ہوا۔ سرسید نے ایک خط میں لکھا:

''جناب مولانا! جو خیال آپ نے اپنے عنایت نامہ کے اس فقرے میں ظاہر فرمائے ہیں وہ اس عریضہ میں چسپاں ہے۔ یہ اس قسم کے خیالات ہیں جن سے بڑے بڑے عالم، واعظ، خداپرست، دین دار، کلمہ الحق کے کہنے سے باز رہے ہیں۔ میں بڈھا ہوں اور اپنی عمر میں ہر فرقہ کے بہت بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے۔ اسی چیز نے اور اسی خیال نے کلمہ الحق کے کہنے سے ان کو باز رکھا۔ مولانا اسماعیل شہید اگر اسی قسم کے خیالات میں مبتلا رہتے تو ہندوستان میں سے شرک وبدعت کی تاریکی کیسے دور ہوتی۔ آپ کو معلوم نہ ہوگا مگر آپ معاف فرمائیے گا۔ میں نے وہابیوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں، ایک وہابی، دوسرے وہابی اور کریلہ، تیسرے وہابی کریلہ اور نیم چڑھا۔ میں اپنے تئیں تیسری قسم میں قرار دیتا ہوں۔ اور بجز حق حق حق جو میرے نزدیک ہو ذرہ برابر دریغ نہیں کرتا اور سمجھتا ہوں کہ یہ اول سیڑھی اسلام کی ہے.... کسی خیال سے حق بات کو ظاہر نہ کرنا گو وہ کیسی ہی ادنی ہو ٹھیک نہیں ہے۔ جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی نیم چڑھا وہابی بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے مگر اس کو سنت ہدی جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جناب ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جب یہ گفتگو ہوئی، میں نے سنا کہ میرے پاس سے اٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اس وقت سے رفع الیدین کرنے لگے۔ گو ان پر لوگوں نے بہت حملے کیے مگر کلمۃ الحق ہمیشہ کلمۃ الحق ہے۔''(۲)

سرسید احمد خان اپنے نیچری افکار اور اعتزال پر مبنی بعض خیالات کے باوجود نہ صرف یہ کہ خود کو وہابی باور کراتے تھے بلکہ وہابیت اور وہابیوں کا دفاع بھی کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد جس قدر مسلمانوں خاص طور سے وہابیوں کے خلاف ملک بھر میں دار وگیر شروع ہوئی، مقدمات قائم کیے گئے اور ان کو شک وشبہات کے کٹگھرے میں کھڑا کیا گیا وہ اب کوئی پوشیدہ بات نہیں رہ گئی ہے۔ اس موقع پر سرسید احمد خاں نے انگریزوں کے عتاب کی پرواہ کیے بغیر اسباب بغاوت ہند اور ہنٹر کی کتاب پر ریویو لکھنے کے ساتھ ساتھ اخبارات میں مراسلے لکھ کر وکیل صفائی کا کردار ادا کیا اور لکھا کہ:

''میرے چند لائق اور فائق دوست اس بات کو سن کر نہایت متحیر ہوں گے کہ میں بھی بڑا پکا وہابی ہوں اور وہابیت کا حامی ہوں، لیکن مجھ کو امید ہے کہ وہ مجھ کو وہابی بمعنی مفسد کے نہ خیال کریں گے۔ جو معنی وہابیت غلط فہم شخصوں نے ہندوستان میں بیان کیے ہیں حقیقت میں ان سے اور وہابیت اصلی معنی سے کچھ مناسبت نہیں ہے۔ سرکار اور عوام الناس پٹنہ کے مقدمہ (اشارہ ہے وہابیوں کے خلاف پٹنہ میں قائم کئے گئے مقدمات کی طرف) میں بڑی احتیاط کی نظر کریں.... مگر اس بات کا بھی گورنمنٹ کو خیال رکھنا ضرور ہے کہ مسلمانوں کے بدعتی اور اور وہابی فرقوں میں حد سے زیادہ دشمنی ہے اور ان کی دشمنی کی مثال ایسی ہے جیسی کہ یورپ میں عام تہذیب کے زمانہ میں رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان تھی۔ اور اسی وجہ سے اس سازش اور فساد کے زمانہ میں کچھ یہ بات بعید نہیں ہے کہ بے گناہ اور بے جرم آدمیوں کے ذمہ باطل اور ناجائز الزام لگائے گئے ہوں اور سیکڑوں جھوٹے اور مفتری گواہ کردیں۔''(۳)

اس مراسلہ میں گو کہ سرسید احمد خان نے انگریزوں کے خلاف وہابیوں کی تاریخی ومسلسل جدوجہد آزادی کے حوالے سے خلاف واقعہ باتیں بیان کی ہیں لیکن اس سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ وہابیوں سے حد درجہ متاثر تھے۔ ان سے دلی ہمدردی رکھتے تھے اور انہوں نے محض انگریزوں کے چوطرفہ عتاب سے وہابیوں کو بچانے کے لیے یہ مراسلہ لکھا تھا۔

مراجع و مصادر: (۱) مکتوبات سرسید جلد اول ص ۴۳۰، ۴۶۳
(۱) خطوط سرسید ص ۲۲۲۔۲۲۱ (۳) مکاتیب سرسید احمد خاں جلد اول ص ۶۲۔۶۴

مولانا اسعد اعظمی/جامعہ سلفیہ بنارس

ڈاکٹر عبدالعلی ازہریؒ - ایک تعارف

پانچویں قسط

اور برف پگھل گئی: اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ الدارالسّلفیہ سے علیحدگی اوراس کے اسباب ڈاکٹر صاحب کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھے،اس سانحے نے آپ کو اندر تک جھنجھوڑ کر کے رکھ دیا تھا، ذہنی اور نفسیاتی طور پر آپ بالکل ٹوٹ گئے تھے۔اس شکست وریخت کی کسک ایک مدت تک آپ محسوس کرتے رہے۔ایک زمانے تک آپسی تعلقات کشیدگی کی انتہا پر قائم رہے۔زخم گہرا تھا اس لیے مندمل ہونے میں وقت لگا،لیکن مندمل ہوکر رہا۔مرور زمانہ کے ساتھ تلخ یادیں ایک ایک کرکے رخصت ہوتی گئیں اور طاق نسیاں میں منتقل ہوتی رہیں۔ڈاکٹر صاحب فطرتاً مزاج کے کھلے اور دل کے صاف انسان تھے۔نفرتوں اور کدورتوں کے لیے آپ کے دل میں کوئی جگہ نہیں تھی۔بارہا ملاحظہ کیا گیا کہ منفی چیزوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے،لوگوں کی تنقید وتبصرے کو لے کر بہت زیادہ فکر مند نہ رہتے،انتقامی سوچ اور انتقامی جوش کا آپ کی زندگی میں گذر نہیں تھا۔اوروں کی طرح آپ نے پہلے بھی اور بعد میں بھی زندگی میں بڑے نشیب و فراز دیکھے،حسد ورقابت والوں کو بھی دیکھا اور سنا،نفاق اور دوغلے پن کا بھی بارہا مشاہدہ کیا،طعنے سنے،ریشہ دوانیاں جھیلیں۔لیکن کبھی کسی چیز کو دل پر نہیں لیا:

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

لیکن آپ بھی آخر کار تھے تو بشر ہی، دوسری بات یہ کہ ممبئی والا سانحہ بڑے دوررس نتائج کا حامل تھا۔ضرب بہت شدید تھی جو دل ودماغ تک کو متاثر کرگئی۔علم اور بحث وتحقیق کی دنیا سے جڑا ہوا انسان بہت حساس ہوجاتا ہے۔حق اور ناحق، صحیح اور غلط، ثابت اور غیر ثابت کی تمیز ہی میں اس کی ساری انرجی استعمال ہوتی ہے۔ایسا انسان اپنی ذاتی زندگی میں اور اپنے ساتھ پیش آنے والے معاملات میں صحیح اور غلط، ظلم اور انصاف اور حق وناحق میں کیوں کر فرق محسوس نہ کرے۔اور اس فرق اور امتیاز کو ختم کرنے کے لیے کیوں کر جدوجہد نہ کرے۔

ڈاکٹر صاحب کے متعلقین اور بہی خواہ جانتے ہیں کہ تلخیوں کا سلسلہ عرصہ دراز تک دراز رہا اور برسہابرس تک کڑوی کسیلی یادیں ذہن ودماغ کو جھنجھوڑتی رہیں،لیکن مرور ایام سے یہ تلخیاں پھیکی پڑتی گئیں،کش مکش کا ماحول سرد پڑتا گیا اور دھیرے دھیرے حالات معمول پر آتے گئے۔آپ نے یاد ماضی کو ذہن ودماغ سے کھرچ پھینکا۔

اس کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ ۲۰۱۴ء میں ممبئی کے ایک سفر کے دوران الدارالسّلفیہ کے بانی کے خلف الرشید مولانا ارشد مختار مدظلہ نے آپ سے ملاقات کرکے آپ سے جامعہ محمدیہ مالیگاؤں چلنے کی درخواست کی تو آپ نے بلاچوں وچرا اسے قبول کرلیا اور ادارہ میں حاضری دے کر طلبہ وطالبات اور اساتذہ ومعلمات کی رہنمائی کی اور ان کے ساتھ اپنے تدریسی وعلمی تجربات شیئر کیے۔آپ نے مجلّہ افکار عالیہ میں اس سفر کی مفصل روداد سپرد قلم فرمائی تھی۔اس روداد کے کچھ حصے ملاحظہ ہوں:

’’...ممبئی میں قیام کے دوران ارشد مختار سلمہ کئی مرتبہ تشریف لائے اور بار بار مالیگاؤں جامعہ محمدیہ چلنے کے لیے درخواست کی،ان کے بار بار اصرار پر میں نے ہاں کردی اور عبدالصمد کے ساتھ کار سے مالیگاؤں گیا۔عبدالصمد اس وقت سے ادارہ اصلاح المساجد سے منسلک ہیں جب میں ممبئی میں تھا۔اس وقت ان سے جان پہچان ہوئی تھی اور اب تک قائم ہے۔انہوں نے دو چیزوں کی درخواست کی: ایک خطبۂ جمعہ کی کہ بنگالی مسجد میں دے دیجیے اور مالیگاؤں چلیے۔میں نے ان کی دونوں خواہشیں پوری کیں...ہم لوگ مالیگاؤں کے لیے صبح کو روانہ ہوئے اور دوپہر تک پہونچ گئے۔ناشتہ کے بعد فوراً معلمات سے میٹنگ طے تھی، میں نے ان کو وہی باتیں بتائیں جو میں اب تک تمام طالبات اور معلمات کو بتاتا رہا ہوں۔میں باہر نکلا تو ایک ذمہ دار نے کہا کہ ہم نے آپ کے اور مستمعات کے درمیان پردہ نہیں کھینچا تھا، میں نے کہا کہ اگر آپ ایسا کرتے تو میں خطاب ہی نہیں کرتا۔اس کے بعد میری ملاقات اساتذہ کرام سے ہوئی، میں نے اس بات پر زور دیا کہ ہر موضوع پڑھانے کی کوشش کریں، کتاب پر پورا دارومدار نہ ہو جیسا کہ ابھی تک ہوتا آیا ہے،عبارتوں کے پیچھے چھپے ہوئے رموز کو دریافت کرنے کی کوشش کریں اور طلبہ وطالبات کو اس کی ٹریننگ دیں۔قرآن وحدیث اور فقہ کی تدریس میں مقاصد الشریعۃ معلوم کرنے کی کوشش کریں اور ان ہی کی روشنی میں نصوص کو سمجھائیں۔

میری ایک ملاقات فضیلت کی طالبات اور طلبہ کے ساتھ بھی ہوئی۔معلوم ہوا کہ یہ لوگ منہج البحث سے پوری طرح واقف نہیں، بحث کے موضوع کا انتخاب کس طرح ہو، پھر خطۃ البحث یعنی ریسرچ کا پلان کس طرح تیار کیا جائے، پھر قائمۃ المراجع یا ببلیوگرافی کیسے تیار کی جائے۔یہ سب چیزیں ریسرچ کے لیے بہت ضروری ہیں۔ریسرچ کا دارومدار صفحات پر نہ ہو بلکہ ان کے نتیجہ پر ہو۔اس ملاقات میں طالبات حسب دستور پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں،نقاب کے اندر سمٹی سمٹائی۔میں نے ان سے اور طلبہ سے کہا کہ اگر ان کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو بلا جھجک دریافت کریں،لیکن ایک ہولناک خاموشی رہی، میں نے استاد اور شاگرد کے باہمی تعلقات سے آگاہ کیا جس میں استاذ کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ شاگرد کی رہنمائی کرے اور بحث لکھنے کے دوران ان کی مدد کرے۔

میں نے خاص طور سے طالبات سے پوچھا کہ ان کے پاس اگر کوئی چیز پوچھنے

کی ہے یا وہ میری بات پر کوئی تبصرہ کرنا چاہتی ہوں تو بلا تردد بولیں۔ لیکن وہی سناٹا اور خاموشی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کی آواز پردہ نہیں ہے، آپ پر مردوں سے ضرورت کے مطابق بات کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے، اس سلسلے میں آپ کو تین دلیلیں دے رہا ہوں...(اس کے بعد احادیث نبویہ سے دلیلیں ہیں)

مجھے جامعہ محمدیہ کے کیمپس کے اندر انجینئرنگ کالج لے جایا گیا، یہ کالج پونہ یونیورسٹی سے ملحق ہے اور پڑھائی چل رہی ہے، تمام ساز وسامان موجود ہیں۔ ارشد سلمہ کے عزائم بہت بلند ہیں، وہ اور بھی کئی ایک کالجز قائم کرنے کی تگ ودو کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو کامیاب فرمائے۔

آخر میں تمام طلبہ اور طالبات کو ایک بڑے ہال (آڈیٹوریم) میں اکٹھا کیا گیا اور مجھ کو خطاب کی دعوت دی گئی، میں نے قصداً بہت ہی معمولی لباس پہن رکھا تھا، پتلون اور لمبا کرتا۔ میں نے سب سے پہلے طلبہ اور طالبات کی توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ اپنے لباس سے زیادہ اپنے کام پر توجہ دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ عبدالصمد مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ میں جو کرتا اور پینٹ ممبئی سے پہن کر آیا تھا اسی میں رہ گیا۔ میرے پاس ممبئی میں کوٹ تھا، اگر میں چاہتا تو اپ ٹو ڈیٹ بن کر حاضر ہوسکتا تھا، لیکن آدھا انگلش اور آدھا مولویانہ یہ جامعہ محمدیہ کے لیے موزوں تھا جہاں دینیات کے ساتھ انجینئرنگ اور طب کی بھی پڑھائی ہوتی ہے۔ میں نے حاضرین اور حاضرات کو بتایا کہ رئیس الجامعہ ارشد سلمہ اگر ساتھ ہوتے تو شاید مجھے دوسرا لباس پہن کر آنے پر زور دیتے، لیکن ایک دن پہلے ان کو کسی ضروری کام سے کیرالا جانا ہوا اور وہ میرے سفر میں ساتھ نہ دے سکے۔

یہاں پر بھی میں نے طلبہ کو پڑھنے اور سیکھنے پر توجہ دینے کو کہا اور ان سے ایمان داری کا مظاہرہ کرنے کی اپیل کی۔ میں نے خاص طور پر انجینئرنگ کالج کے طلبہ سے کہا کہ وہ پیسہ کے پیچھے نہ بھاگیں کیوں کہ ہمارے ملک میں انجینئر لوگ رشوت لینے میں مشہور ہیں۔ میرے لیے اتنے بڑے ہال میں اتنے بڑے مجمع کو خطاب کرنے کا پہلا موقع تھا، لیکن میں نے اپنی ذمہ داری پوری کردی، وللہ الحمد۔

ہم لوگ مالیگاؤں سے واپس پہنچے، میں نے مالیگاؤں پچیس سال بعد حاضری دی تھی اور یہی حال ممبئی کا بھی تھا۔ اتنے طویل عرصے کے بعد اس شہر کو دیکھ کر تعجب ہوا....'' (افکار عالیہ مئو: اپریل تا جون ۲۰۱۴ء، ص: ۴۹-۵۱ مختصراً)

براعظم یورپ کا رخ: ایشیا اور افریقہ میں علم کے موتی لٹانے اور بحث وتحقیق میں داد لینے کے بعد قضائے الٰہی نے آپ کے لیے مزید مغرب کی طرف بڑھنے کا راستہ ہموار کیا۔ یورپ کا عظیم ملک برطانیہ آپ کی زندگی کا آخری پڑاؤ ثابت ہوا، جہاں آپ نے تقریباً ۳۴/ برس گزارے اور اسی ملک کی مٹی میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

برطانیہ-انتخاب یا اضطرار: شاید کم لوگوں کے علم میں یہ بات ہوگی کہ برطانیہ جہاں ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی کے قیمتی اور طویل ترین ماہ وسال گزارے، اور جہاں کی شہریت سے سرفراز کیے گئے، وہ آپ کا انتخاب نہیں اضطرار تھا۔ امکانات کے باوجود مغرب میں ملازمت کرنے اور بس جانے کی کبھی آپ کے اندر خواہش اور چاہت نہیں رہی۔ اور برطانیہ سے تو آپ کو شدید قسم کی نفرت تھی۔ یورپی ممالک کے بار بار سفر کے باوجود آپ بالقصد برطانیہ جانے سے گریزاں رہتے۔ لیکن دھیرے دھیرے آپ کے موقف میں تبدیلی آئی اور ایک وقت آیا جب آپ وہاں غیر معینہ مدت کے لیے پڑاؤ ڈالنے کے لیے مجبور ہوئے۔ ۱۹۸۸ء میں جب آپ ممبئی سے واپس ہوئے تو مسلم کالج لندن جوائن کرنے کے لیے ایک بار پھر آپ کو یاد کیا جانے لگا۔ جب ۱۹۸۴ء میں آپ نائیجیریا چھوڑ کر وطن واپس ہو رہے تھے تو اس وقت بھی یہ پیش کش ہوئی تھی جسے آپ نامنظور کر چکے تھے، لیکن ۱۹۸۸ء میں اس پیش کش کو قبول کرنے کے لیے حالات سازگار ہو چکے تھے۔ برطانیہ پہنچنے کے بعد آپ نے عربی میں ''تأملات و خواطر'' کے عنوان سے ایک طویل مضمون تحریر کیا جو ماہنامہ صوت الامۃ بنارس کے جولائی ۱۹۸۹ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس مضمون کو ''آپ بیتی'' کہہ لیجیے، اس میں مصر کی ۸/ سالہ طالب علمانہ زندگی، پھر نائیجیریا کی بارہ سالہ درس وتدریس کی زندگی کا اجمالی ذکر ہے، البتہ نائیجیریا چھوڑنے اور الدار السلفیہ جوائن کرنے کے منظر اور پس منظر مع نتائج کا تفصیلی ذکر ہے۔ یہ بات کہ برطانیہ آپ کا انتخاب تھا یا اضطرار، اس پر تفصیلی گفتگو ہے۔ بعدہ مغرب کی بالعموم اور برطانیہ کی بالخصوص مذہب بیزار، مادہ پرست اور مشینی زندگی کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔ اس مضمون کے کچھ اقتباسات اردو قالب میں پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''میں یہاں وارد ہو چکا ہوں، حالاں کہ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں کبھی قیام کرنے کی غرض سے میں آؤں گا۔ اور نہ کبھی میرے دل میں اس کی خواہش ہوئی، اگرچہ بعض لوگ ایسا سوچ سکتے ہیں۔ میرا معاملہ تو اس کے بالکل برعکس تھا، میں ہمیشہ اپنے دل کے اندر انگریزوں کے ملک سے وحشت محسوس کرتا رہا، کیوں کہ یہی وہ لوگ تھے جو ہمارے ملک کو اور بہت سارے مسلم ممالک کو قبضے میں لیے ہوئے تھے۔ یہ مسلم اقوام کے سیاہ وسفید کے مالک بنے بیٹھے تھے، وہاں کے قیمتی ذخائر کو یہ لوٹ کر لے گئے تھے۔ لفظ ''انگریز'' میرے ذہن میں سامراج سے جڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کا لازم وملزوم کا رشتہ تھا۔ مصر میں ہماری تعلیم کے درمیان وہاں کے ذرائع ابلاغ نے بھی اسی سوچ کو تقویت پہنچائی۔ وہاں سے شائع ہونے والے اخبارات ورسائل برابر سامراجی طاقتوں کے خلاف لکھتے رہتے اور برطانیہ ان طاقتوں کا نمائندہ مانا جاتا تھا جو سب سے بڑا سامراجی ملک تھا۔ ریڈیو سے بھی جو پیغام نشر ہوتے ان میں اقوام عالم

سے اپیل ہوتی کہ سامراجی سیاست کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور امپریل ازم کے مقابلے کے لیے متحد ہو جائیں۔ میڈیا کے ان پیغامات کا بھی میرے اوپر بڑا اثر رہتا تھا اور انگلینڈ ملک اور انگریز قوم کے تئیں میرے دل میں بغض ونفرت کے احساسات پیدا ہوتے تھے۔

اگر چہ مصری ذرائع ابلاغ کا رخ برطانیہ اور امریکا دونوں کی طرف ہوتا تھا، اور بسا اوقات امریکہ کے خلاف لب ولہجہ زیادہ تیز وتند ہوتا تھا لیکن امریکہ کے تعلق سے میری سوچ یکسر مختلف تھی، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ الفت ومحبت والی سوچ تھی لیکن بغض وعداوت والی سوچ تو بہر حال نہیں تھی۔ اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں قاہرہ کی امریکن یونیورسٹی کے عربی شعبہ سے ایک طالب علم کی حیثیت سے جڑا ہوا تھا، وہاں میں نے ذمہ داروں کو پایا کہ بڑی خاطر داری کرتے ہیں اور بڑی اپنائیت کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہ چیز میں نے مصری بھائیوں کے یہاں بھی نہیں دیکھی، اس کی وجہ سے امریکیوں کے تئیں میری سوچ میں تبدیلی آئی، حالاں کہ میں مانتا تھا کہ عرب علاقے کے قلب میں اسرائیل کو بسانے کے جرم کے یہی ذمہ دار ہیں۔ البتہ برطانیہ سے متعلق میرے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر میں میں نے اپنی تعلیم مکمل کر لی اور مزید تعلیم جاری رکھنے کے لیے باہر جانے کا فیصلہ کیا تو امریکہ اور کناڈا کی مختلف یونیورسٹیوں سے خط وکتابت کی، لیکن کسی برطانوی یونیورسٹی کو میں نے درخواست نہیں بھیجی۔ اسی طرح ۱۹۷۱ء میں گرمی کی چھٹیوں میں جب میں نے یورپی ممالک کا دورہ کیا تو برطانیہ جانے سے گریز کیا اور پیرس سے واپس چلا آیا۔

۱۹۷۹ء میں نائیجیریا سے ہندوستان سفر کے دوران میں پہلی بار برطانیہ میں اترا۔ یہ سفر میڈیکل جانچ کی غرض سے تھا۔ ادھر مصر چھوڑنے کے بعد برطانیہ کے تئیں میرے موقف میں تبدیلی آچکی تھی اور مذکورہ سفر کے مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے۔ اس کے بعد لندن کے لیے میری آمد ورفت بڑھ گئی اور اب معاملہ یہاں تک پہنچا کہ میں یہاں ملازمت اور سکونت کی غرض سے پڑاؤ ڈال چکا ہوں، اور شاید یہاں میرا قیام طویل ہو اور برسوں کو محیط ہو (ولله غيب السمٰوات والأرض وإليه يرجع الأمر كله).....''

(صوت الأمۃ بنارس: جولائی ۱۹۸۹ء ص:۴۲-۴۳)

اپنے ایک دوسرے عربی مضمون میں بصراحت لکھتے ہیں:

''ولم يطب لي المقام في بومباى، وترجح لدي السفر إلى الخارج مرة أخرى. ولكن هذه الرحلة اضطررت إليها، بينما الأولى كنت طلبتها من عند نفسي، والقرار للفرار لم يكن سهلا، فقد كلفني الكثير، وقضيت فترة عانيت فيها ماديا ونفسيا.....''

(صوت الأمۃ بنارس: جولائی ۱۹۹۰ء، ص:۱۶)

مسلم کالج لندن: اس کالج کے بانی ایک مصری ازہری عالم ڈاکٹر زکی بدوی تھے، آپ مصر میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے، ازہر میں تعلیم حاصل کی، کافی ذہین تھے۔ ۱۹۵۱ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ گئے اور وہاں سے ''الفكر الإسلامي المعاصر'' پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ عملی میدان میں داخل ہونے کے بعد جامعہ ازہر میں درس وتدریس سے منسلک ہوئے، اس کے بعد ملیشیا، سنگاپور، اور نائیجیریا میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ جن دنوں ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نائیجیریا میں پروفیسر بنائے گئے تھے ڈاکٹر زکی آپ کے شعبہ کے ہیڈ تھے، اور آپ ہی کے اشراف میں آپ نے اپنے دکتورہ کا رسالہ بھی تحریر کیا تھا۔ ۱۹۷۶ء یا ۱۹۷۸ء میں زکی بدوی برطانیہ کوچ کر گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ۲۰۰۶ء میں وہیں پیوند خاک ہوئے۔

زکی بدوی ایک تجدد پسند عالم تھے، کبھی کبھی تجدد پسندی میں بہت آگے نکل جاتے تھے اور آپ کے نظریات وفتاوی تنازعات کا شکار ہو جاتے تھے۔ برطانیہ میں آپ نے شریعہ کونسل قائم کی تھی، وہاں سرکاری طور پر ائمہ مساجد کے ہیڈ تھے، لندن میں قائم ''مرکز دراسات الحج'' جو کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کے تابع تھا اس میں تدریسی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ مختلف مذاہب کے مابین مکالمہ سے خاص دل چسپی رکھتے تھے اور اس کی جدوجہد میں ہمیشہ لگے رہتے تھے۔

۱۹۸۶ء میں آپ نے لندن میں مسلم کالج کی بنیاد رکھی اور اس کے پرنسپل بنے۔ آپ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یورپی ممالک میں عرب اور اسلامی ممالک سے ائمہ مساجد کو طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ یہاں کے ماحول سے آشنا نہیں ہوتے اور بالعموم یہاں کی زبان سے واقف نہیں ہوتے، اس لیے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مقامی مسلمانوں کو ہی تربیت دے کر امامت وخطابت کے منصب پر فائز کرنا چاہیے۔ غالباً اسی ضرورت کے پیش نظر انھوں نے اس کالج کی بنیاد رکھی تھی۔

کالج کے نصاب میں علوم القرآن، فقہ، تاریخ، ابتدائی عربی وغیرہ مضامین داخل درس تھے۔ سب سے اہم ایم اے کا دوسالہ کورس تھا، اس کورس کی تکمیل پر طلبہ کو اسلامک اسٹڈیز میں ایم اے کی سند تفویض کی جاتی تھی۔ کچھ دوسرے کورسز بھی تھے۔ طلبہ وطالبات دونوں تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مئوشہر کے ہمارے ایک عزیز ڈاکٹر حماد احمد جو ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ کے چھوٹے داماد ہیں مذکورہ کالج میں ۲۰۰۲ء-۲۰۰۳ء میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ انھوں نے ہمارے استفسار پر بتایا کہ کالج کے اساتذہ میں ڈاکٹر عبدالعلی ازہری کے علاوہ بعض فلسطینی اور مصری اساتذہ تھے، ڈاکٹر عبدالعلی علوم القرآن پڑھاتے تھے، زکی بدوی فقہ، ایک فلسطینی استاذ تاریخ اور ایک دوسرے فلسطینی استاذ عربی زبان کا درس دیتے تھے۔ ڈاکٹر حماد صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی ''مکی سورتوں کی خصوصیات'' کے موضوع پر آپ نے مقالہ بھی لکھا تھا۔ آپ نے بتایا کہ ایک بیچ میں ۲۵-۳۰/ کے لگ بھگ طلبہ ہوتے تھے جن میں پاکستانی،

افریقی، کچھ مقامی اور دوسرے ممالک کے بھی ہوتے تھے۔ برطانیہ میں مقیم طلبہ ہی کا داخلہ ہوتا تھا، دیگر ممالک سے کالج کے لیے انھیں بلایا نہیں جاتا تھا۔ اگر کوئی اپنے طور پر پہنچ کر پڑھنا چاہے تو پڑھے۔ ابتدا میں کچھ اسکالرشپ بھی تھی جو بعد میں موقوف ہوگئی۔ طلبہ اپنے قیام وطعام اور دیگر اخراجات کے ذمہ دار خود ہوتے تھے۔ فرصت کے اوقات میں جاب کر کے وہ اپنی ضرورت پوری کرتے تھے۔

ڈاکٹر حماد کے ایک بڑے بھائی محترم رشاد احمد جو عمرآباد سے فارغ ہیں اور برطانیہ میں عرصہ سے مقیم ہیں انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی سے تقریباً دس سال قبل کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر حماد کالج میں تعلیم کے دوران اپنے بھائی کے یہاں مقیم تھے۔ تلاش بسیار کے باوجود، مجھے مسلم کالج لندن میں تعلیم حاصل کرنے والے ان ہی دو اشخاص کے نام دستیاب ہو سکے۔

مسلم کالج کی طرف سے پیش کش: مسلم کالج لندن جہاں ڈاکٹر صاحب ۱۹۸۸ء کے اواخر میں پہنچے اس کالج کی طرف سے چار سال پہلے ۱۹۸۴ء میں گفت وشنید کا آغاز اس وقت ہو چکا تھا جب آپ نائیجیریا کو خیرباد کہہ کر الدارالسّلفیہ ممبئی سے منسلک ہونے کی غرض سے وطن واپس آرہے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں:

''لندن میں مسلم کالج سے میں نومبر ۱۹۸۸ء میں منسلک ہوا۔ جب میں ۱۹۸۴ء میں نائیجیریا چھوڑ کر ہندوستان واپس آرہا تھا تو لندن سے گذرا۔ مسلم کالج کے بانی جو نائیجیریا میں میرے ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ رہ چکے تھے ان سے ملاقات کی، اور انھوں نے بہت اصرار کیا کہ میں وہیں لندن میں رک جاؤں اور کالج کی تاسیس میں ان کا ہاتھ بٹاؤں، لیکن قسمت کو کچھ اور منظور تھا، چار سال بعد ان کی دعوت منظور کرنی پڑی.....'' (ماہنامہ محدث بنارس: مارچ ۱۹۹۷ء، ص:۹)

واضح رہے کہ کالج کی باقاعدہ تاسیس ۱۹۸۶ء میں عمل میں آئی ہے۔ البتہ کالج کے بانی تقریباً ۱۹۷۶ء ہی سے برطانیہ میں مقیم تھے اور مختلف اداروں سے جڑے تھے۔ لیکن مسلم کالج کی تاسیس آپ کے طویل المیعاد منصوبے کا حصہ تھی۔ اور اس قسم کے ادارے یوں ہی وجود میں نہیں آجاتے۔ اس کے لیے لمبی پلاننگ، بنیادی ضرورتیں، اخراجات، جگہ، نصاب، اساتذہ، لائبریری، دستورالعمل ...الخ سب کچھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر صاحب بانی ادارہ سے ملے تھے تو آپ ان ہی مراحل سے گذر رہے تھے۔ اس کے دو سال کے بعد یہ کالج ایک حقیقت بن کر وجود میں آیا۔ پھر اس کے دو سال کے بعد ڈاکٹر صاحب اس سے وابستہ ہوئے۔

آٹھ ماہ کا تعطل: الدارالسّلفیہ سے علیحدگی اور مسلم کالج سے وابستگی کے درمیان تقریباً آٹھ ماہ کا وقفہ تھا جسے ڈاکٹر صاحب نے بڑے صبر اور حوصلے سے گزارا۔ حالات معمول پر ہوں اور سب کچھ نارمل ہو تو اپنے پرائے سب ٹھیک ہی لگتے ہیں، لیکن جیسے ہی کسی کی زندگی کی گاڑی پٹری سے اترتی دیکھی، بدباطن وبدخواہ ہر طرح کی شرافت ومروءت سے عاری ہوکر خبث باطن کے اظہار کے لیے میدان میں کود پڑتے ہیں اور آزمائشوں سے دوچار انسان کو مزید آزمائشوں میں مبتلا کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی مختلف تحریروں میں بمبئی اور لندن کے درمیانی وقفہ اور اس وقفہ کے بہی خواہوں اور بدخواہوں کی طرف اجمالاً اشارہ کیا ہے اور سماج کے اس رویے کا شکوہ کیا ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''.....لندن سے ویزا پہنچنے میں تاخیر ہوئی اور بدخواہوں کے درمیان چہ میگوئیاں اور طعن وتشنیع پر مشتمل تبصرے شروع ہوگئے۔ بہرحال چھ مہینے کے بعد ویزا آیا اور امین بھائی (امین بچوعلی، ممبئی) نے ٹیلی گرام کے ذریعہ اطلاع دی، میں ممبئی پہنچا اور امین بھائی کے یہاں قیام کیا، کارروائی پوری ہوتے دو مہینے لگ گئے.....''

(مجلّہ افکار عالیہ مئو: اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۶ء، ص:۴۴)

ایک دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں:

''ممبئی سے جب نکل کر مئو پہنچا اور ویزے کے انتظار میں ایک طویل مدت گذر گئی تو میں بڑا پریشان رہنے لگا، دو مرتبہ ممبئی کا سفر کیا، ایک دو بار دہلی گیا اور بنارس آئے دن جاتا رہا.....میری پریشانی دیکھ کر انھوں (ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری) نے مشورہ دیا کہ میں بنارس ہی میں رہوں.....'' (مجلّہ افکار عالیہ مئو: جولائی-ستمبر ۲۰۱۴ء، ص:۴۰)

مولانا عبدالوحید صاحب سلفی (اول ناظم جامعہ سلفیہ بنارس) کی شخصیت پر لکھے اپنے مضمون میں ڈاکٹر عبدالعلی رقم طراز ہیں:

''ناظم صاحب کی صفات عالیہ میں سے ایک بڑی خوبی ان کا علو نفس تھا، وہ کبھی بھی اپنے ذاتی مفاد کے لیے یا کسی کی بدخواہی میں اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے اپنے مرتبہ سے نیچے نہیں اتارتے تھے، میرے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی مخلصانہ اور ہمدردانہ تھا، لیکن جب میں ایک بحرانی دور سے گذر رہا تھا انھوں نے کبھی بھی میرے سامنے دوسروں کے خلاف زبان نہیں کھولی، اور نہ نقصان پہنچانے کی غرض سے کوئی مشورہ دیا، اور نہ مجھ سے تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ میں نے بھی ان کے احساسات کا خیال رکھتے ہوئے کبھی اپنی داستان غم سنانے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے کبھی بھی مجھے جامعہ سلفیہ میں کام کرنے کے لیے بہکانے یا پھسلانے کا ارادہ نہیں ظاہر کیا۔ لندن کے لیے روانہ ہوتے وقت انھوں نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ ہماری آخرت ملاقات ہوگی۔'' (ماہنامہ محدث بنارس: جنوری-فروری ۱۹۹۱ء ص:۴۱)

مولانا مرحوم ہی پر اپنے عربی والے مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے مزید صراحت اور وضاحت کے ساتھ اپنا درد بیان کیا ہے۔ اس کے لیے مجلّہ صوت الأمۃ بنارس کے جولائی ۱۹۹۰ء کے شمارے کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

تیسرے بر اعظم میں پڑاؤ: ایشیاوافریقہ کے بعد آپ بادل ناخواستہ براعظم یورپ اور بالخصوص اس انگلینڈ کی سرزمین پر پڑاؤ ڈالتے ہیں جس کے بارے میں آپ کا وہ تاریخی جملہ ہمیشہ یاد رکھا جائے جو انھوں نے وہاں پہنچنے کے بعد اپنے ایک طویل عربی مضمون میں لکھا تھا جس کے کچھ اقتباسات سابقہ سطور میں نقل کیے جا چکے ہیں۔ آپ نے مضمون کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

''وأخيرا وصلت إلى لندن، عاصمة بريطانيا العظمى.....''

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

''نزلت في هذه المدينة ولم أكن قدرت أني سأتوجه –يوماما – إليها للبقاء، ولا كانت نفسي تتطلع إلى ذلك...''

(صوت الأمۃ بنارس: جولائی ۱۹۸۹ء ص:۴۱-۴۲)

مسلم کالج کی صورت حال: مسلم کالج کی تاسیس پر دو سال گذر چکے تھے تب ڈاکٹر صاحب اس سے منسلک ہوئے تھے۔ آپ کا اپنا اندازہ یہ تھا کہ کالج میں اب باقاعدہ درس وتدریس اور دیگر علمی سرگرمیاں رفتار پکڑ چکی ہوں گی اور مجھے ایک وسیع میدان عمل ملے گا۔ لیکن معاملہ ایسا نہ تھا، بلکہ آپ کے پہنچنے کے بعد ہی کالج میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اور آپ نے بانی ادارہ کے دست راست بن کر تشنگان علوم کی سیرابی کے لیے اس چمن کو تیار کیا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

''....میں یہ سمجھ رہا تھا کہ مسلم کالج اب بالکل منظم طریقے سے کام کر رہا ہوگا اور طلبہ کی ایک فوج میرا انتظار کر رہی ہوگی، لیکن وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ابھی تک کالج ابتدائی مرحلے میں ہے۔ میں نے اصرار کر کے طلبہ کا داخلہ شروع کروایا اور اب ماشاء اللہ طلبہ کی ایک اچھی تعداد موجود ہے...''

(ماہنامہ محدث بنارس: مارچ ۱۹۹۷ء ص:۹)

کالج میں آپ کی ذمہ داریاں: کالج میں آپ کی ذمہ داریوں اور دائرہ عمل کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا وہ اس طرح ہے:

- ہفتہ میں ۶ تا ۷ گھنٹیوں کی تدریس۔
- آپ علوم القرآن کا مضمون پڑھاتے تھے۔
- کچھ ادارتی کام بھی آپ کے ذمہ ہوتا تھا۔
- کالج میں آپ ۳ سے ۴ گھنٹے کا وقت دیتے تھے۔
- کالج میں سنیچر واتوار کو عام ہفتہ واری تعطیل ہوتی تھی، جمعہ کے روز بھی پابندی سے جانا ضروری نہیں تھا۔

والد محترم مولانا محمد صاحب اعظمی کے نام اپنے ایک خط میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''میں (کالج کے) آفس میں سوموار سے جمعرات تک ہندستانی ٹائم سے ساڑھے تین سے ساڑھے سات بجے شام تک ہوتا ہوں۔ جمعہ کو کوئی ٹھیک نہیں، کبھی آتا ہوں کبھی نہیں، اور سنیچر اتوار کو چھٹی رہتی ہے۔ بڑی آزادی ہے، بمبئی کے بالکل برعکس.....'' (مکتوب ۹/۵/۱۹۹۰ء)

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

''.....میرا زیادہ تر وقت کالج کے ادارتی امور میں صرف ہو جاتا ہے۔ پھر ہفتہ میں چھ سات گھنٹی پڑھانے کا کام کرتا ہوں، اس طرح وقت گذر رہا ہے.....''

(مکتوب ۱۸/۱۰/۱۹۹۳ء)

طریقۂ تعلیم: مسلم کالج میں اپنے طریقۂ تدریس پر ڈاکٹر صاحب نے الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''... یہاں پر بھی ہمارا طرز تدریس یہی ہے کہ طلبہ کو اسی بات کی طرف راغب کیا جائے بلکہ مجبور کیا جائے کہ وہ بنیادی مصادر سے اپنے نظریات حاصل کریں، یہ نہ ہو کہ پہلے ذہن میں ایک نظریہ قائم کر لیا جائے یا کسی کی رائے کو آنکھ بند کر کے قبول کر لیا جائے اور پھر قرآن وسنت میں اس کے لیے دلیل تلاش کی جائے جیسا کہ ہندوستان میں تمام مدارس میں ہوتا ہے۔

درس نظامیہ پڑھانے کا میرا تجربہ صرف چھ مہینے کا ہے جو میں نے فیض عام میں فراغت کے بعد گزارے، بقیہ تدریسی تجربات یونیورسٹی اور کالج کا ہے جہاں کتاب نہیں پڑھائی جاتی بلکہ طلبہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ لیکچر کی روشنی میں مقررہ مراجع پڑھ کر اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔ یہ چیز ابھی تک مدارس عربیہ میں مفقود ہے، جب کہ اس سے طلبہ کے اندر استنتاج واستنباط کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور فکری آزادی اور ذہن کی جولانی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔'' (ماہنامہ محدث بنارس: مارچ ۱۹۹۷ء ص:۹)

آپ نے اپنی اس تحریر میں مدارس میں رائج طریقۂ تدریس پر جس طرح عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے اسی طرح آپسی گفتگو میں اور مدارس وغیرہ میں پیش کیے جانے والے اپنے خطابات میں بھی اس کی طرف توجہ دلاتے تھے۔

جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو میں میری تدریس کے ایام میں آپ کی وطن آمد پر ایک استقبالیہ پروگرام رکھا گیا تھا، خطاب کے دوران آپ نے مدارس کے بعض مدرسین کے طرز تدریس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کچھ لوگ کتاب کی کوئی عبارت پڑھ کر اس کا نارمل لہجے میں ترجمہ کریں گے تو وہ ترجمہ ہوگا اور اسی کو تیز آواز کے ساتھ بیان کریں گے تو ''مطلب'' یعنی تشریح ہو جائے گا۔

گھر اور کالج کا محل وقوع: لندن میں آپ کی رہائش کہاں تھی اور کالج کدھر واقع تھا اس کی تفصیل بھی ڈاکٹر صاحب کی زبانی سنیے:

''میرا گھر مغرب میں لندن سے باہر ہیتھرو ایرپورٹ کے قریب تھا، اور جس کالج میں کام کرتا تھا وہ مغربی لندن کے علاقہ میں پڑتا تھا۔''

(افکار عالیہ مئو: اپریل-جون ۲۰۱۵ء)

والد صاحب کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''جس علاقے میں ہم لوگ ہیں یہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہے، اس لیے اسکول والے ان کا (یعنی بچوں کا) خیال رکھتے ہیں۔ یہ لندن سے باہر ہے، کھیدو پورہ سمجھ لیجیے۔ زیادہ تر آبادی میر پور کشمیر کے لوگوں کی ہے جن میں کچھ جماعت کے لوگ بھی ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے میں اس علاقے میں منتقل ہوا۔ ورنہ روزانہ ایک گھنٹے کا سفر کر کے کالج پہنچتا ہوں۔ ٹرین سے جانا ہوتا ہے، ٹرین تو آدھے گھنٹے میں پہنچا دیتی ہے لیکن اسٹیشن تک گھر سے پندرہ منٹ پیدل کا راستہ ہے، اور ادھر سے بھی اسٹیشن سے کالج تک بس لینی پڑتی ہے جو زیادہ انتظار کرواتی ہے ورنہ مسافت دو تین منٹ سے زیادہ کی نہیں۔'' (مکتوب: ۱۹۹۱/۳/۳۰ء)

برطانیہ میں موجود سعودی دعوتی اداروں سے وابستگی کی پیش کش: سعودی عرب نے پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے اپنے مراکز قائم کیے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور دارالافتاء ریاض وغیرہ کے ماتحت یہ مراکز کام کرتے تھے۔ بعد میں وزارۃ الشؤون الاسلامیۃ کا قیام عمل میں آیا تو دارالافتاء کی اس نوعیت کی ذمہ داریاں وزارت کو منتقل ہو گئیں۔ ان اداروں کی مغربی ممالک پر خاص توجہ تھی کیوں کہ وہاں مقیم مسلمانوں کو زیادہ چیلنجوں کا سامنا تھا اور اب بھی ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کے دینی تشخص کی حفاظت، ان کے بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت، مسلمانوں کے بیچ دعوتی و اصلاحی سرگرمیاں، غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت کے لیے کوشش وغیرہ وغیرہ، ان مراکز کی توجہ کے موضوعات ہوتے ہیں۔ اور الحمد للہ اس کا خاطر خواہ فائدہ بھی ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک دین دار گھرانے کے چشم و چراغ تھے، حافظ قرآن تھے، عالم دین تھے۔ طویل عرصے تک اسلامیات کے پروفیسر رہ چکے تھے۔ درجن بھر سے زائد تفسیر و حدیث کی کتابوں کی تحقیقی خدمت انجام دے چکے تھے۔ اسلامی اور دعوتی و اصلاحی موضوعات پر درجنوں اردو و عربی مضامین سپرد قلم کر چکے تھے۔ مسلم معاشرے پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ درس و تدریس کے تجربات سے آپ نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ آپ جہاں بھی پڑاؤ ڈالتے بہت جلد وہاں کے سماج کا بھرپور جائزہ لے لیتے اور بصیرت کے ساتھ تجزیہ کرتے۔ وہاں کے مسلم و غیر مسلم تمام باشندوں کے مثبت و منفی رویے، رجحانات اور کارکردگی کا خلاصہ کر دیتے۔ اچھے دینی، تعلیمی اور دعوتی مزاج والوں سے بہت جلد متعارف ہو جاتے اور ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرتے۔

برطانیہ میں فروکش ہونے کے بعد وہاں کی جن مسلم شخصیات اور تنظیمات سے آپ کو جڑنے کا موقع ملا ان میں سعودی عرب کی طرف سے بھیجے گئے دعوتی کاز کی نگرانی پر مامور وفود بھی تھے جن میں ایک بڑی تعداد سعودی باشندوں کی تھی۔ رابطہ اور دارالافتاء کے دعوتی مراکز اور ان کے رجال کار سے نہ صرف یہ کہ آپ کے تعلقات قائم ہوئے بلکہ بہت جلد ان کے نور نظر بن گئے۔ سعودی ذمہ داران نے ان کے اندر چھپے ہوئے ہیرے کو بہت جلد ڈھونڈ لیا اور انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔ آپ کی خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر وہ آپ کو مسلم کالج کے محدود دائرہ عمل کی بجائے ایک وسیع میدان عمل فراہم کرنے اور ان کی عبقری شخصیت کے شایان شان ذمہ داریاں سپرد کرنے کے لیے کوشاں ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب چوں کہ اپنی سابقہ ملازمت کے تجربات کی تلخی اب تک محسوس کر رہے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان حضرات کی کرم فرمائیوں اور ان کی پیش کش پر بہت محتاط ردعمل کا اظہار کیا اور بحسن و خوبی اسے ٹال دیا۔ آپ کو اپنی خودداری اور شخصی آزادی جو مسلم کالج میں میسر تھی وہی عزیز تھی۔ میدان عمل محدود سہی لیکن ذہنی سکون اور اداراتی پابندیوں سے بے فکری آپ کے لیے زیادہ اہم تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے والد محترم مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ کے نام اپنے بعض خطوط میں ان سارے امور کی طرف نہ صرف اشارہ کیا ہے بلکہ کھل کر اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''یہاں پر رابطہ اور دارالافتاء کا جو آفس ہے وہاں پر کام کرنے والے سعودی بڑا احترام کرتے ہیں، جاؤ تو پکڑ کر بٹھائیں گے، چائے قہوہ پلائیں گے، لیکن وہاں کا ماحول اچھا نہیں لگتا، دم گھٹتا ہے۔ افتاء کا جو مدیر ہے وہ تو خود بھی دکتور ہے اور آپ شاید جانتے ہوں شیخ عبداللہ الغدیان، ان کا لڑکا ہے، بہت ہی نیک اور باکمال نوجوان ہے وہ کئی بار غریب خانہ پر بھی تشریف لایا.....''

اسی خط میں آگے لکھتے ہیں:

''سعودیوں کی طرف سے اور خاص طور پر عبداللہ ترکی کی طرف سے یہاں ان کے ایک سنٹر میں مدیر کی حیثیت سے کام کرنے کا آفر ملا ہے، لیکن طبیعت مطمئن نہیں۔ میں جہاں ہوں وہاں سے نکالے جانے یا تنخواہ بند ہونے کا کوئی ڈر نہیں۔ البتہ اگر ادارہ ہی بند ہو جائے تو دوسری بات ہے..... دکتور سعود الغدیان تو بالکل پیچھے پڑے ہوئے ہیں، لیکن میں نے اشارتاً ان کو بتا دیا کہ لندن چھوڑنے پر بچے تیار نہیں، البتہ اگر کوئی معقول کام ادھر ہی کہیں ہو تو سوچا جائے گا۔'' (مکتوب ۱۹۹۳/۱۲/۲۰ء)

لندن پہنچنے کے ایک ڈیڑھ سال کے بعد ایک افریقی ملک تنزانیہ میں بھی آپ کو کام کی پیش کش ہوئی تھی مگر اس سے بھی معذرت کر دی۔ اس تعلق سے موصوف والد صاحب کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

''تنزانیہ کی ملازمت کے بارے میں میرے ایک ساتھی نے بتایا تھا اور وہ مجھ کو وہاں جانے کے لیے اکسا رہے تھے لیکن اب میں افریقہ جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' (مکتوب ۱۹۹۰/۵/۹ء)

(جاری)

☆☆☆

اعلان داخلہ

المعهد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیة

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام اہل حدیث کمپلیکس اوکھلا نئی دہلی میں قائم اعلی تعلیمی وتربیتی ادارہ

''المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیۃ''

میں نئے تعلیمی کلینڈر (۲۰۲۲-۲۰۲۳) کے مطابق امسال نئے سیشن کے لئے

۱۴/مئی ۲۰۲۲ء مطابق ۱۲/شوال المکرم ۱۴۴۳ھ بروز ھفتہ تا ۱۶/مئی ۲۰۲۲ء

مطابق ۱۴/شوال المکرم ۱۴۴۳ھ بروز پیر داخلہ لیا جائے گا۔ان شاءاللہ

شرائط داخلہ:

● امیدوار کسی معتبر سلفی ادارہ سے فارغ التحصیل ہو۔● دین کی خدمت اور دعوت کا جذبہ فراواں رکھتا ہو۔● آخری سال میں امتیازی نمبرات حاصل کیے ہوں۔● فراغت پر دو سال سے زیادہ کی مدت نہ گزری ہو۔● جس ادارہ سے فارغ ہو اس سے امیدوار کے حسن السیرۃ والسلوک پر کم از کم دو اساتذہ کی تصدیق ہو۔● اسلامی وضع قطع کا پابند ہو● الیکشن آئی کارڈ یا آدھار کارڈ یافتہ ہو● مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی کسی ذیلی جمعیت کی طرف سے سفارش کی گئی ہو۔● تحریری وتقریری امتحان میں کامیابی کے بعد ہی داخلہ لیا جائے گا۔داخلہ کے لیے اصل اسناد پیش کرنا ضروری ہے۔

خصوصیات:

● خوشگوار ماحول میں عمدہ تعلیم۔● دعوت وافتاء کی عملی مشق۔● مقالات وبحوث لکھنے کی تربیت۔● انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم کا معقول بندوبست● علیحدہ کشادہ کمپیوٹر لیب● ماہر اساتذہ کی ایک ٹیم۔● وقتاً فوقتاً جدید موضوعات پر ماہرین کے توسیعی خطبات۔● ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ● بہترین رہائشی انتظامات● ڈائننگ ہال میں کھانے کا نظم۔● مطالعہ کے لیے لائبریری جس میں مصادر ومراجع کی کتابیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔● کھیل کود کے لیے وسیع میدان۔

درخواست موصول ہونے کی آخری تاریخ: ۷/مئی ۲۰۲۲ء

اپنی درخواست مع تصدیقات ونقول اسناد درج ذیل پتہ پر ارسال کریں۔

''المعهد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیة''

اہل حدیث کمپلیکس، ڈی-۲۵۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

فون نمبر:-011-26946205, 23273407، موبائل:09560841844, 9213172981

شعبۂ تعلیم و تربیت:

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیراہتمام اپنی نوعیت کا منفرد

اُنیسواں (۱۹) کل ہند مُسابقہ حِفظ وتجوید وتفسیر قرآن کریم

بمقام **اہل حدیث کمپلیکس**
D-254 ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگراوکھلا، نئی دہلی-۲۵

رجسٹریشن کی آخری تاریخ
6 جون 2022ء

بتاریخ
11-12 جون
2022ء ہفتہ، اتوار
بوقت: ۸ر بجے صبح تا ۹ر بجے شب
ان شاءاللہ

ضروری معلومات نیز فارم حاصل کرنے کے لیے فوراً رابطہ قائم کریں: مسابقۂ تجوید وحفظ وتفسیر قرآن کریم کمیٹی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند،
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد دہلی-۶، فون: 23273407 فیکس: 23246613
مسابقہ فارم جمعیت کی ویب سائٹ www.ahlehadees.org سے بھی ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے۔

اغراض ومقاصد

☆ مسلمانوں کو زندگی کے تمام امور میں قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دینا ☆ قرآن کریم کی تلاوت، تجوید وحفظ، اس کے معانی وتفسیر پر فکر وتدبر میں دلچسپی پیدا کرنا ☆ مسلمان بچوں میں قرآن کریم کی تلاوت وحفظ کا شوق پیدا کرنا ☆ امت کو کتاب الٰہی سے وابستہ کرکے دنیا وآخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار کرنا ☆ حفاظ وقراء کی حوصلہ افزائی نیز مدارس میں فن تجوید پر مزید توجہ کی راہ ہموار کرنا ☆ ہزاروں روپے کے نقد انعامات ☆ حوصلہ افزائی کے لیے متعدد ومختلف النوع انعامات | ممتاز حفاظ وقراء کے لیے بین الاقوامی مقابلہ قرآن میں نامزدگی کا امکان ☆
ملک بھر میں ۲۵ سال سے کم عمر کے حفاظ وقراء وطلباء کے لیے نادر ونایاب موقعہ

مقابلے کے زمرے

اول: حفظ قرآن کریم کامل مع سوالات متعلقہ بہ احکام تجوید وقرأت	دوم: حفظ قرآن کریم بیس پارے مع سوالات متعلقہ بہ احکام تجوید وقرأت
سوم: حفظ قرآن کریم دس پارے مع سوالات متعلقہ بہ احکام تجوید وقرأت	چہارم: حفظِ قرآن کریم پانچ پارے مع سوالات متعلقہ بہ احکام تجوید وقرأت
پنجم: ناظرہ تلاوت قرآن کامل مع سوالات متعلقہ بہ احکام تجوید وقرأت	ششم: سورۃ النور، الفرقان، محمد، الحجرات، الطلاق کے ترجمے اور تفسیر کا تحریری امتحان

☆ ترجمہ وتفسیر (سورۃ النور، الفرقان، محمد، الحجرات، الطلاق) کا تحریری امتحان بتاریخ ۱۱ر جون ۲۰۲۲ء بروز ہفتہ بمقام اہل حدیث کمپلیکس اوکھلا، نئی دہلی منعقد ہوگا اور اس کا پرچہ سوالات مصحف مطبوع مجمع الملک فہد ۱۴۱۷ھ ترجمہ مولانا جوناگڑھیؒ کی روشنی میں تیار کیا جائے گا ☆ ان شاء اللہ نقد انعامات کے علاوہ دیگر انعامات بھی دیئے جائیں گے، نیز دیگر شرکاء کے لیے بھی کچھ تشجیعی انعامات ہوں گے۔

اہم وضاحت

☆ زمرہ اول ودوم وسوم وچہارم امیدوار کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ مقررہ پاروں کا حافظ ہو اور احکام تجوید وقرأت سے بھی واقف ہو، احکام تجوید کے سوالات کا عملاً جواب دے سکے، قرأتِ سبعہ میں سے کسی ایک قرأت کے مطابق تلاوت کرے، جس کا واضح اندراج فارم داخلہ میں کرنا لازمی ہے۔ ☆ ایک قاری کو صرف ایک ہی زمرہ میں شرکت کی اجازت ہوگی۔ ☆
اگر کسی زمرے کے لیے پانچ سے کم امیدوار اہل حدیث کمپلیکس اوکھلا، نئی دہلی پہنچے تو مرکزی جمعیت اس زمرے کا مقابلہ منعقد کرنے سے معذور ہوگی۔

شرائط شرکت مسابقہ

❶ مقابلہ میں شرکت کی درخواست مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے مقررہ فارم پر دی جائے گی۔ ناگزیر حالات میں رجسٹریشن کے لئے سادہ کاغذ پر بھی درخواست دی جاسکتی ہے، اور بذریعہ فون بھی رجسٹریشن ممکن ہے البتہ مسابقہ شروع ہونے سے پہلے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے مطبوعہ فارم حاصل کرکے پر کرنا ضروری ہے ❷ شرکت کے متمنی قاری کی عمر ۲۵ سال سے زائد نہ ہو ❸ امیدوار کا شمار ملک کے مشہور پیشہ ور قراء میں نہ ہوتا ہو۔ ❹ اس سے پہلے وہ کسی بین الاقوامی مقابلۂ حفظ وقرأت میں حصہ نہ لے چکا ہو ❺ مرکزی جمعیت کے کسی مقابلے کے شریک قاری کو اس زمرے میں شرکت کی اجازت نہیں ہوگی جس میں وہ پہلے بھی حصہ لے چکا ہو۔ ❻ مقابلے میں شرکت کی مکمل درخواست، انعقاد مقابلہ سے پانچ روز قبل دفتر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کو موصول ہونا لازمی ہے بصورت دیگر درخواست رد کردی جائے گی ❼ حفظ قرآن اور تجوید واحکام کی قابل قبول سند یا تصدیق نامہ کی فوٹو کاپی درخواست کے ساتھ منسلک ہو اور اصل اپنے ساتھ لائے۔ ❽ مقابلے میں شرکت کی نامزدگی کسی دینی تعلیمی ادارے یا معروف مسلم تنظیم کی جانب سے ہونی چاہیے۔
❾ اصولِ تجوید وقرأت سے ناواقف امیدوار کو مقابلے سے خارج کردیا جائے گا ☆ حفظ کررہے طلبہ کو زمرہ پنجم (ناظرہ قرآن مکمل) میں شرکت کی اجازت نہیں ہوگی۔

نوٹ: آمد ورفت کے اخراجات بذمہ امیدوار ہوں گے۔ قیام وطعام کا انتظام مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی جانب سے ہوگا۔